بیاد
سلطان القلم حضرت علامہ سید مناظر احسن گیلانیؒ

اکابر کی روایتوں کا پاسدار، قدیم و جدید تحریروں کا حسین امتزاج

ماہنامہ

المناظر

مدیر
محمد سعید اللہ قاسمی مہراج گنجی

معاون مدیر
محمد فہیم قاسمی گورکھپوری

مرکز اشاعت
حکیم الاسلام لائبریری
بیلی پار، گورکھپور، یوپی، انڈیا

بیاد:۔ سلطان القلم حضرت علامہ سید مناظر احسن گیلانیؒ

اکابر کی روایتوں کا پاسدار، قدیم وجدید تحریروں کا حسین امتزاج

ماہنامہ

جلد ۲/ شمارہ ۱/ ۲،

زیر نگرانی

حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی مدظلہ
مہتمم دار العلوم وقف دیوبند

مدیر:۔ محمد سعید اللہ قاسمی مہراج گنجی معاون مدیر:۔ محمد فہیم قاسمی گورکھ پوری

مجلس مشاورت

حضرت مولانا محمد اسلام صاحب قاسمی
استاذ حدیث دار العلوم وقف دیوبند

حضرت مولانا نعیم الرحمٰن صدیقی ندوی
صدر صدق فاؤنڈیشن لکھنؤ

حضرت مولانا صغیر احمد صاحب قاسمی
استاذ حدیث جامعہ امام انور شاہ الکشمیری دیوبند

حضرت مولانا محمد شکیب صاحب قاسمی
ڈائریکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی واستاذ دار العلوم وقف دیوبند

المناظر رابطہ نمبر/7905991793 ای میل:mahnamaalmanazir@gmail.com

مرکز اشاعت

حکیم الاسلام لائبریری بیلی پار، گورکھ پور، یوپی، پن نمبر ۲۷۳۴۱۳

آئینۂ اوراق

اداریہ

وطن عزیز پر فسطائیت کے گہراتے سائے

مدیر

فاشسٹ نظریات کی حامل، ملک کی انتہا پسند تنظیم آر، ایس، ایس نے اپنے مخصوص مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے اپنی ابتدائے قیام ۱۹۲۵ء سے ہی جھوٹ، فریب، نفرت، تشدد اور ناروا ہتھکنڈوں کا سہارا لیتے ہوئے تسلسل کے ساتھ جو مسموم ماحول تیار کرنا چاہا، بدقسمتی سے انڈین نیشنل کانگریس کی برہمن وادی سوچ اور لگاتار نرم ہندوتوا کی پالیسی پر گامزن رہنے کی وجہ سے اس میں بہت حد تک وہ کامیاب رہی، بقیہ کسر ۲۰۱۴ء میں بی جے پی کے اقتدار میں آنے کے ساتھ ہی پوری ہوگئی، ملک کے اکثر ذرائع ابلاغ اور میڈیا ہاؤسیز کو زیر دام لاکر موجودہ کانگریس حکومت کو بدعنوان، کمزور اور نااہل ثابت کرتے ہوئے نام نہاد ترقی یافتہ ریاست گجرات کے وزیر اعلی نریندر مودی کو ملک کا نجات دہندہ بنا کر، چند کارپوریٹ گھرانوں کی معاونت سے کرسی اقتدار پر فائز کیا گیا، پھر کیا تھا آر، ایس، ایس اور اس کی ذیلی تنظیمیں جواب تک کسی حد تک پس پردہ رہ کر اپنے مذموم مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے سعی پیہم میں مصروف تھیں، پردے سے پوری طرح باہر آ گئیں۔ اور ایک مخصوص طبقے کو سیاسی، سماجی، معاشی اور معاشرتی سطح پر مزید دبانے اور کچلنے کا گھناؤنا سلسلہ پورے زور شور سے شروع ہوا، ملک میں پوری شدت سے نفرت اور تعصب کے شعلے بھڑکائے گئے، اور اس میں گھی ڈالنے کا کام گری راج سنگھ جیسے حکومتی وزراء اور نامور میڈیا ہاؤسیز کے نامی گرامی اینکروں نے کیا، جس کا مشاہدہ روزمرہ ڈیبیٹ میں چلنے والے مباحث، ان کے موضوعات، اور ڈیبیٹ میں حصہ لینے والوں کے انداز گفتگو سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

چنانچہ اسی نفرت انگیزی کا نتیجہ ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان آج اتنی گہری خلیج پیدا ہوگئی ہے جس کی ماضی میں کوئی نظیر نہیں ملتی، حتی کہ اس وقت بھی نہیں جب امراء و بادشاہ اور

راجوں مہاراجوں کی افواج آپس میں برسر پیکار رہتی تھیں، ہزار سالہ گنگا جمنی تہذیب آج ختم ہو چکی ہے، گئوکشی کے نام پر "جے شری رام" کا نفرت انگیز نعرہ لگاتے ہوئے موب لنچنگ کا جو ہولناک سلسلہ چند سالوں سے چل رہا تھا وہ پوری شدت سے نہ صرف جاری ہے؛ بلکہ اس کے دائرے میں مزید وسعت آتی جارہی ہے، کہیں چوری کا الزام لگا کر کہیں نام نہاد چھیڑ خانی کے نام پر، کہیں کسی اور چھوٹے موٹے جھگڑے کی وجہ سے عوامی بھیڑ کے ذریعہ دلتوں اور اقلیتوں کا وحشیانہ قتل، دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت میں عام بات ہو چکی ہے، پولس، انتظامیہ اور حکومتی عہدے داران کہیں کھلم کھلا تو کہیں پس پردہ مکمل پشت پناہی کر کے اس کھیل کو جاری رکھے ہوئے ہیں، مزید افسوس کی بات تو یہ ہے کہ شاید اب ذیلی عدالتیں بھی ان کی شریک کار ہو چکی ہیں، جیسا کہ پہلو خان شہادت کیس میں مجرمین کی بلا سزا رہائی سے اس موقف کو تقویت مل رہی ہے۔

۲۳رمئی کو دوبارہ برسر اقتدار آنے کے بعد جس طرح مختلف امور میں جارحانہ رخ اختیار کیا جارہا ہے، اور محض اپنی عددی برتری کی بنیاد پر تمام تر جائز مخالفت کے باوجود، محض اپنے جماعتی اور نظریاتی مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے، حکومت جوڑ توڑ سے یکے بعد دیگرے مختلف قوانین پاس کر رہی ہے، وہ کسی بھی طرح ایک جمہوری ملک کو زیب نہیں دیتا، طلاق ثلثہ بل اور دفعہ ۳۷۰، اور ۳۵/اے کا خاتمہ اس کی واضح مثال ہے، مسلم کمیونٹی کے کروڑوں مردوخواتین کی واضح مخالفت کے باوجود طلاق ثلثہ بل کو جس طرح جبراً ان پر مسلط کیا گیا، پھر اس کے بعد جنت نظیر کشمیر میں اضافی فورسیز تعینات کرکے اور مواصلات کے تمام تر ذرائع مسدود کرتے ہوئے، وہاں کے علحدگی پسند ہی نہیں، مین اسٹریم لیڈران کو قید یا نظر بند کر کے ریاست کی مرضی کے خلاف اس کے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ بزور طاقت اس کی ریاستی حیثیت کا خاتمہ کر دیا گیا، اور اس عمل میں ریاست کی آواز سننے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی گئی، آئین کے بنیادی تقاضوں کو بھی مدنظر نہیں رکھا گیا، مختلف سیاسی جماعتوں کے موقر قائدین کو بھی قبل از وقت اس کی بھنک تک نہیں لگنے دی گئی، کیا یہ کسی جمہوری عمل کا حصہ ہے؟ یا نوٹ بندی کی طرح آمریت کا ایک مکمل جیتا جاگتا نمونہ؟ ایک دیش، ایک آئین اور ایک جھنڈا کا نعرہ جو حکومتی وزراء اور بی، جے، پی قائدین کی طرف سے لگا کر ملک کو گمراہ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، کیا اس کا اطلاق ناگالینڈ سمیت شمال مشرق کی ریاستوں پر بھی ہوگا؟ کیا اروناچل پردیش، میزورم، میگھالیہ، ہماچل پردیش، اور منی پور وغیرہ نارتھ ایسٹ کی ریاستوں کی خصوصی شناخت کا التزام آئین

میں نہیں ہے؟ کیا وہاں ملک کا ہر شہری زمین جائداد خرید سکتا ہے؟ اگر نہیں تو حکومت بتائے کہ یہ ریاستیں ایک دیش اور ایک آئین کے دائرے میں کب آئیں گی؟ وہاں پر ایک عام شہری کب زمین خرید کر آباد ہو سکے گا؟ یا پھر ان ریاستوں کی خصوصی شناخت اس لئے بصد مسرت قابل قبول ہے کہ یہاں کی اکثریت مسلم نہیں ہے؟ جیسا کہ وزیر داخلہ امت شاہ نے پارلیمنٹ میں یہ اعلان کیا کہ نریندر مودی حکومت کا آرٹیکل ۳۷۱ ہٹانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے، کشمیر کی خصوصی شناخت اس لئے آر، ایس، ایس اور اس کے ہمنواؤں کو کھٹک رہی تھی کہ وہاں کی غالب آبادی مسلمان تھی، جیسا کہ سابق وزیر داخلہ پی چدمبرم نے پارلیمنٹ میں اس کو واضح الفاظ میں بیان بھی کیا۔

کیا موجودہ حکومت کے ذمہ داران یہ بتا سکتے ہیں کہ طاقت کے بل بوتے کب تک ایک حساس سرحدی صوبے کو خاموش رکھا جا سکتا ہے؟ آخر کب تک ان کی لینڈ لائن، موبائل اور انٹرنیٹ وغیرہ مواصلات کے ذرائع بند رکھیں گے؟ کیا آپ اس بات کی ضمانت دے سکتے ہیں کہ جب پابندیاں ہٹائی جائیں گی، تب بھی وہ خاموش رہیں گے؟ علاحدگی پسندوں کی وہ آواز جو کانگریس نے بڑی حکمت سے مین اسٹریم لیڈروں کے ذریعے کسی حد تک غیر موثر بنا دیا تھا، کیا آپ کے اس عمل سے اس میں دوبارہ جان نہیں پڑ جائے گی؟ کشمیری نوجوان جو فوجی موجودگی سے پہلے ہی نالاں تھا، اور وقتاً فوقتاً حکومت کے خلاف مزاحمتی کاروائیوں کو انجام دیتا رہا تھا، کیا ضمانت ہے کہ اپنی خصوصی حیثیت کے خاتمے کو وہ آسانی سے ہضم کر لے گا، اور مزاحمتی کاروائیوں میں شدت نہیں آئے گی؟ پھر آپ نے بحیثیت انسان ہی سہی 80 لاکھ محصور کشمیریوں کے راشن پانی اور دوا علاج وغیرہ بنیادی ضروریات کے پورا کرنے کا کیا انتظام کر رکھا ہے؟ کیا یہ آپ کی ناکامی نہیں کہ مسئلہ کشمیر جو شملہ معاہدہ کے ذریعے بڑی دانشمندی سے عالمی تنازع سے ہٹا کر انڈیا اور پاکستان کا اندرونی مسئلہ بنا دیا گیا تھا، وہ ایک مرتبہ پھر عالمی تنازع کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ آج ہماری سطحی سیاست کی وجہ سے پوری دنیا کی نگاہیں کشمیر کی طرف لگی ہوئی ہیں، ہم جو دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کے علمبردار ہیں، آج ہماری اس قابل فخر شناخت کو آپ کے آمرانہ فیصلے سے سخت دھچکا لگا ہے، اور ملک کی سیکولر شبیہ جو مسلم کش فسادات اور موب لنچنگ کے قابل نفریں واقعات کے سبب پہلے ہی مجروح ہو رہی تھی، اس میں ناقابل تلافی حد تک اضافہ ہوا ہے، آپ یہ کیسا اسٹیٹ بنانا چاہتے ہیں کہ مسلمان اور دلت ہی نہیں اپوزیشن پارٹیوں کے قابل احترام لیڈران تک کا وقار محفوظ نہیں، آپ اپنے سیاسی مخالفین کو دبانے اور

ان کی آواز کو خاموش کرنے کے لئے ہر طرح کے اخلاقی وغیر اخلاقی ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں، سپا کے قد آوار لیڈر اعظم خان ہوں یا مہاراشٹرا نونر مان سینا کے صدر راج ٹھاکرے، یا کانگریس کے سینئر نیتا پی چدمبرم وغیرہ، وہ آپ کی انتقامی سیاست کا شکار ہو رہے ہیں، مختلف ایجنسیوں کے ذریعے جس طرح ان کو ہراساں کرنے اور میڈیا کے ذریعہ ان کی کردار کشی کا قبیح ترین سلسلہ جاری ہے، اس پر افسوس ہی کیا جا سکتا ہے، وہ بھی اس ماحول میں جب آپ کے اشارے پر آپ کی پارٹی کے لیڈران اور کارکنان پر قائم سنگین نوعیت کے مقدمات بلا جواز واپس لئے جا رہے ہوں یا اسے کمزور کیا جا رہا ہو، اور قانون کے سچے محافظوں کے قاتلوں کی رہائی پر ایک ہیرو کی طرح ان کا استقبال ہو رہا ہو، کیا آپ کی پارٹی میں موجود لیڈران کی ایک بڑی تعداد ایسی نہیں ہے، جن پر قتل، کرپشن وغیرہ جیسے سنگین واقعات کے تحت مقدمات درج ہیں، کیا ان کے پیچھے بھی ای، ڈی۔ سی، بی، آئی اور دیگر ایجنسیوں کو لگا کر شفاف طریقے پر جانچ کرا کر انصاف کرنے کی ہمت کر پائیں گے؟ نہیں شاید یہ آپ کے لئے ممکن نہیں ہے۔ کیوں کہ دوسری پارٹیوں میں موجود مجرمانہ شبیہ والے چہرے آپ کی پارٹی میں آنے کے بعد مکمل طور پر پاک وصاف ہو جاتے ہیں۔

میں بحیثیت بھارت کے ایک عام شہری ہونے کے آپ کے حضور میں یہ گذارش کرتا ہوں کہ براہ کرم آمریت کو ترک کر کے حقیقی معنوں میں سیکولر کردار اختیار کریں، آپ کی یہ آمریت کسی بھی طرح ملک کے حق میں نہیں ہے، اپوزیشن لیڈران کو احترام دیں، ان کے جائز مطالبات کو تسلیم کریں ،موب لنچنگ کے خلاف موثر قانون بنائیں، طلاق ثلاثہ بل کے سلسلہ میں مسلم علماء اور دانشوران کے ساتھ کھلے دل سے بات کریں اور اس بل کی خامیوں کو دور کریں، کشمیر کی خصوصی شناخت کو از سر نو بحال کریں، وہاں کے لوگوں کو پیار و محبت سے اپنا گرویدہ بنائیں اور ان کے جائز مطالبات کو تسلیم کر کے ان کا اعتماد جیتیں، کیوں کہ کشمیر کی زمین ہی نہیں کشمیری بھی آپ کے اپنے ہیں، گنگا جمنی تہذیب کو پروان چڑھائیں اور بلا تفریق مذہب مجرمین کی حوصلہ شکنی کر کے ملک میں امن وامان قائم کریں، سماجی انصاف فراہم کریں، کیوں کہ انصاف کے بغیر ملک کا سماجی تانا بانا بکھر کر رہ جائے گا، آپ دلتوں اور مسلمانوں کے ساتھ سوتیلا برتاؤ جاری رکھ کر اور ان کے بنیادی حقوق سے کھلواڑ کر کے ملک کو ایک ترقی یافتہ ریاست نہیں بنا سکتے، مسلم حکمران جنہیں آپ غاصب کہتے ہیں انہوں نے عدل کی فراہمی اور امن قائم کر کے ہی اس ملک کو سونے کی چڑیا بنایا تھا، آپ نظام انصاف کی پیچیدگیوں کو

ختم کر کے اسے سہل اور آسان بنائیں، گرتی ہوئی معیشت کو سہارا دیں، کیوں کہ آپ کی غلط معاشی پالیسیوں کی وجہ سے معیشت ستر سال پیچھے چلی گئی ہے، آٹو سیکٹر سے لے کر دوسرے شعبہ جات تک لاکھوں لوگوں کی ملازمتیں ختم ہو چکی ہیں، اور مزید لاکھوں ملازمتیں خطرے میں ہیں، شوروم اور کمپنیاں بڑی تعداد میں بند ہو رہی ہیں، ایئر انڈیا سمیت حکومت کے متعدد ادارے مسلسل خسارے کا شکار ہیں، تاجر حضرات پریشان ہیں، مہنگائی کی مار سے غریب اور متوسط طبقہ بری طرح جوجھ رہا ہے، آپ مہنگائی کو کنٹرول کر کے ان کے زخموں پر مرہم رکھیں، وی آئی پی کلچر کے بے جا مصارف کو ختم کر کے بے جا ٹیکسوں کا بھی خاتمہ کریں، کرپشن کا بھی سد باب ہو، ملک کی غالب آبادی جو غریب یا متوسط ہے اس کے معیاری خوراک، معیاری علاج اور ان کے بچوں کے لئے معیاری تعلیم کا پوری سنجیدگی اور ایمانداری سے انتظام کریں، تا کہ آپ کی عوام خوش حال زندگی بسر کر سکے۔

اس طرح مجاہدین آزادی کے خوابوں والا ایک صحت مند اور خوش حال بھارت وجود میں آئے گا، جو دنیا کے دوسرے ممالک کے لئے ایک آئیڈیل اور نمونہ ہوگا اور آپ جدید ہندوستان کے ایک عظیم معمار کہلائیں گے، اور صدیوں آپ کو یاد رکھا جائے گا۔

☆---☆---☆

صفحہ/۳۵ کا بقیہ حضرت حفصہؓ کے پاس آئے اور پوچھا کہ عورت کتنے دن مرد کے بغیر رہ سکتی ہے؟ انہوں نے کہا چار مہینہ، صبح ہوتے ہر جگہ حکم بھیج دیا کہ کوئی سپاہی چار مہینہ سے زیادہ باہر نہ رہنے پائے۔

بالآخر یہ عظیم خلیفہ جو بیواؤں کی خبر گیری کرتا، ضرورت مندوں کی ضرورتوں کو پوری کرتا، اینٹ کا تکیہ لگا کر مسجد کے صحن ہی میں سو جاتا، رعایا کے گھروں میں پانی پہنچاتا، جو قاصد کے پیچھے دوڑتا پھرتا، جو مقام ضجنان پر کھڑے ہو کر یہ کہتا ہے کہ ایک وہ دن تھا اگر اونٹوں کے چرانے کے بعد تھک کر آرام کرنے کی غرض سے بیٹھ جاتا، تو میرا باپ مجھے طعنہ دیتا ایک آج کا دن ہے سوائے میرے خالق کے میرے اوپر کوئی حکمراں نہیں۔ وہ عظیم خلیفہ ۲۶/ ذی الحجہ ۲۳ ہجری کو فانی دنیا سے باقی رہنے والی دنیا کی طرف کوچ کر گیا۔ یکم محرم کو مدفون ہوئے اور حضرت صہیبؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

نقوشِ رحمت

سیرت نبوی ﷺ کا عقلی تصور

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ

صدر محترم!

بزرگو اور دوستو! سیرت پاک کے اس مقدس اجتماع میں آپ نے مجھے دوبار موقع دیا ہے۔ دو سال پہلے بھی میں آپ کی خدمت میں آچکا ہوں۔ شاید آپ کو یاد ہو۔ میں نے کہا تھا کہ سیرت پاک بیان کرنے کے دو طریقے ہیں عقلی اور ایمانی۔

ذکر پاک سے نور ایمانی کی رونق بخشنے کا مقصد ایک بابرکت مقصد ہے لیکن جب میں یہ خیال کرتا ہوں کہ آپ نے اس اجتماع کو مسجد میں نہیں؛ بلکہ میدان میں کیا ہے جسے منڈی کی اس سڑک پر آپ دیکھ رہے ہیں، آپ نے ہر شخص کو دعوت عام دی ہے، اس میں مسلمان بھی ہوں گے اور غیر مسلم بھی!

سوال یہ ہے کہ اگر میں صرف رسول پاک ﷺ کی عقیدت کا ذکر کروں تو غیر مسلم کیا فائدہ حاصل کر سکیں گے۔ ضرورت ہے کہ حُسنِ عقیدت کے ذریعے سے نہیں؛ بلکہ عقلی حیثیت سے سیرت پاک کو پیش کروں۔ عقل کے ذریعے دنیا کو سمجھاؤں تاکہ تمام دنیا کے لیے میرا خیال یکساں فائدہ بخش ہو۔

رسول اکرم ﷺ نے جس کتاب الٰہی کو دنیا کے سامنے پیش کیا اس کے صفحہ اول کا پہلا جملہ **الحمد اللہ رب العالمین** پکار کر آواز دیتا ہے کہ اے دنیا کے لوگو! سب تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جو تمام عالم کا رب ہے۔ وہ تنہا مسلمانوں یا کسی قوم کا رب نہیں؛ بلکہ اس کی ربوبیت ہمہ گیر و غیر محدود ہے۔ اس کے دائرہ ربوبیت سے کوئی باہر نہیں ہے۔ اس کتاب الٰہی کا یہ بھی اعلان ہے کہ رسول پاک ﷺ کی ذات رحمت للعالمین ہے، اس کی رحمت کا دائرہ بھی تمام عالم انسانیت کو محیط ہے۔

اس بنا پر مجھے کہنے کا موقع دیجیے کہ اس انداز سے رسول پاک ﷺ کی سیرت مبارک کو پیش

کروں تا کہ غیر مسلم بھی رحمت عالم کی سچائی کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکیں۔رسول کریم ﷺ نے دنیا کے اندر جو انقلاب پیدا کیا اسے نماز اور روزے ہی میں مخصوص کر کے نہیں چھوڑ دیا؛ بلکہ حیات انسانی اور دنیاوی زندگی کے جتنے بھی شعبے ہیں سبھی میں انقلاب برپا کیا۔ معاشی اور اقتصادی، مذہبی اور سیاسی زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے جس میں غیر معمولی انقلاب پیدا نہ کیا ہو۔

رسول اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل عرب کے لوگ خدا کو مانتے تھے۔لیکن ان کا کہنا تھا کہ جنگ کی دیوی، صلح کا دیوتا، بارش کی دیوی اور رزق کا دیوتا الگ الگ ہے، یہ سب مل کر ایک خدا کی قوت بنتے ہیں اور ساری چیزیں اس کے قدرت میں مسخر ہیں وہ ہمہ گیر قوت اور طاقت کا مالک ہے۔ بالآخر رسول اکرم ﷺ نے دنیا کے سامنے جو نقطہ نظر پیش کیا دنیا کو ماننا پڑا۔

روح اس بات کی خواہش مند ہوئی کہ میرے جسم کو تو غذا اور پھلوں سے طاقت دی جاتی ہے، لیکن میں بھی ہوں مجھے معرفت کی غذا چاہیے۔اس نے آنکھ پھاڑ کر دیکھا کہ متمدن ممالک میں ہندوستان، ایران اور رومۃ الکبریٰ کا طُوطی بول رہا ہے۔ان میں دانش ہے، اپنی غذا کی تلاش انہیں میں چل کر کرنی چاہیے۔اس روح نے ہندوستان پہنچ کر اپنی غذا طلب کی۔ ہندوستان نے کہا کہ مختلف دیوی دیوتاؤں کی پوجا کئے بغیر نہ تو ایک خدا کی عبادت کرسکتی ہے اور نہ اس کی معرفت کی غذا حاصل کرسکتی ہے، روح نے منہ پھیر لیا اور کہا کہ جب ایک غلام دو مالک کا بیک وقت فرمانبردار نہیں بن سکتا تو میں ان سینکڑوں کی وفادار کیسے بن سکتی ہوں۔وہ رومۃ الکبریٰ گئی۔ پاپائے روم نے کہا کہ اے روح تو اپنے صحیح مقصد تک پہنچی ہے، لیکن یاد رکھ پہلے تجھے باپ بیٹا اور روح القدس ان تینوں پر ایمان لانا ہوگا پھر انہیں میں تجھے خدا اور اس کی معرفت کی غذا ملے گی۔روح نے انکار کیا اور کہا کہ ایک تین نہیں ہوسکتا۔وہ ایران گئی فیثا غورث کے شاگرد زرتشت نے کہا کہ اے روح یاد رکھ یہاں خدا کی دو طاقتیں ہیں نیکی کا خدا یزدان اور بدی کا خدا اہرمن ہے ان کے بغیر تجھے خدا کی معرفت کی غذا نہیں مل سکتی۔روح کو یہاں سے بھی ناامید ہونا پڑا۔اس نے سوچا کہ جب دنیا کے متمدن ممالک میں جہاں عقل و دانش کے چراغ جل رہے ہیں، وہاں ہم کو اپنی غذا نہیں مل سکتی اور کہاں ملے گی۔ ایک پہاڑ کی بلند چوٹی پر گئی اور طے کیا کہ گر کر مر جانا چاہیے۔گرنا ہی چاہتی تھی کہ ایک کمبل پوش نے جھلستے ہوئے ریت کے تودوں سے نکل کر ایک تپتی ہوئی پہاڑ کی چٹان سے پکار کر کہا اے روح خودکشی نہ کر آ تیری غذا میرے پاس ہے۔میری بات سن! روح نے کہا: متمدن ممالک سے تو خدا کی معرفت

کی غذا ملی نہیں یہاں کہاں ملے گی؟ کملی والے نے کہا۔ **قل ھو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احدہ**. ہندوستان کی دیوی دیوتاؤں کا محتاج میرا خدا نہیں ہے؛ کیونکہ **ھو الہ احد اللہ** وہ اکیلا ہے۔رومۃ الکبریٰ کے باپ بیٹا اور روح القدس کی تثلیث توحید کے منافی ہے،اس لیے کہ ''**لم یلد ولم یولد**''نہ وہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا۔ایران کے زرتشت نے بھی یزدان اوراہرمن دومتضاد صفات کے حامل اور برابر کی طاقت رکھنے والی خداؤں کی تھیوری غلط پیش کی''**ولم یکن لہ کفواً احد**'' میرے خدائے واحد کی طاقت کے برابر کوئی خدا نہیں ہے۔وہ قادر مطلق ہے، یہ نہ دیکھ کہ کہاں کا رہنے والا کہہ رہا ہے۔یہ دیکھ کہ کیا کہہ رہا ہے۔روح نے اس کملی والے کی بات کو سنتے ہی اطمینان کا سانس لیا اور پکار اٹھی کہ بے شک میری غذا تیرے ہی پاس ہے۔

قدرت نے اس ریگستانی پہاڑی اور غیر متمدن ملک میں رسول اکرم ﷺ کو اس لیے بھیجا تاکہ دنیا یہ نہ کہہ سکے کہ عقل ودانش کے چراغوں سے علم کی روشنی حاصل کر کے ضابطہ حیات انسانی پیش کیا ہے۔خدا کو بیچ میں ڈال کر اعلان نبوت جو کیا ہے،فرضی ہے۔ساری دنیا متحیر ہے اور جانتی ہے کہ یہ وہی ہستی ہے جس نے کسی کے سامنے زانوئے ادب تہ نہیں کیا،لیکن پھر بھی دنیا میں انقلاب عظیم برپا کردیا۔

رسول اکرم ﷺ نے عرب کی جاہل اور اجڈ قوم میں جب یہ اعلان کیا تھا کہ ''ساری مخلوق صرف ایک کی ہے تو قوم نے زبردست بغاوت کا مظاہرہ کیا، سارا عرب دشمن بن گیا۔ بقول کارلائل کے کہ ''جب تک اعلان نبوت نہیں کیا تھا سب دوست تھے اور اعلان نبوت پر سب دشمن ہوگئے۔رسول اکرم ﷺ نے طائف کے میدان میں تین باتیں پیش کی تھیں:

(۱)ایک خدا کی پرستش

(۲)بیواؤں اور یتیموں کی سرپرستی

(۳)اور عفت وعصمت کی حفاظت

لیکن طائف والوں نے زخمی کیا شکاری کتے پیچھے لگادیئے۔گالیاں سنائیں پتھروں کی بارش کی۔مگر زبان مبارک سے اَحد اَحد کی صدائیں بلند ہورہی ہیں۔مورخ کہتا ہے کہ پتھراؤ کے سبب جب آپ بیٹھ گئے تو حضرت زید ابن حارثہ پروردہ آغوش رحمت وپروانہ شمع رسالت اس حالت کو دیکھ

کر بے قرار ہو گئے اور کہا کہ آپ ان کو جہنم سے جنت میں لانا چاہتے ہیں اور وہ آپ پر ایسا ظلم ڈھاتے ہیں بددعا کیجئے کہ یہ سب برباد ہو جائیں۔

ایک پادری کا کہنا ہے کہ چہرہ بدل گیا اور فرمایا اے زید! تو نے کیا کہا کہ یہ لوگ مارتے ہیں تو میں بددعا دوں، مجھے تو اللہ نے رحمت عالم بنا کر بھیجا ہے، ہاتھ اٹھاتے ہیں اور فرماتے ہیں۔''اے میرے پروردگار! میری قوم کو ہدایت دے یہ مجھے نہیں جانتے اور پہچانتے۔اے میرے خدا! تو ان کو سمجھا اور ان کو ہلاکت میں نہ ڈال، ممکن ہے کہ ان میں یا ان کی اولاد میں کوئی سعید روح پیدا ہو جو تیرا کلام سنے اور قبول کرے میرے مولا! تیرے ہی پاک چہرہ میں پناہ لینا چاہتا ہوں اگر تو میرے ساتھ ہے تو مجھے کچھ خطرہ نہیں۔''

دنیا کہتی تھی کیا رسول کیا پیغمبر ہماری عقل کافی ہے، ہم رات دن روشنی اور تاریکی کی پہچان خود کر سکتے ہیں تو نبی کی ضرورت نہیں۔فطرت کی طرف سے جواب ملا کہ عقل و دانش مجبور کرے تب تو ماننا ہی ہوگا۔آنکھ میں روشنی موجود ہے لیکن بلب گل کر دیئے جائیں تو آنکھ کی روشنی جواب دے دے گی۔انتہائی تاریکی میں جب ایک ہاتھ کو دوسرا ہاتھ سجھائی نہیں دیتا اگر کوئی کہے کہ آنکھ تو موجود ہے کیوں سجھائی نہیں دیتا؟ اس کا جواب یہی تو ہوگا کہ قانون قدرت کا یہی اصول ہے کہ روشنی ہی سے آنکھ کو روشنی حاصل ہوتی ہے۔میں کہتا ہوں کہ مادی زندگی کے لئے جب یہ اصول ہے تو کیا روحانی زندگی کے لئے باہر کی روشنی کی ضرورت نہیں؟ ماننا ہوگا کہ نبی کی روشنی کے بغیر یہ زندگی نہیں بن سکتی اور نہ ہی خدا کی سچی معرفت حاصل ہو سکتی ہے۔

☆--☆--☆

کیوں ہوئے قتل ہم پر یہ الزام ہے، قتل جس نے کیا ہے وہی مدعی
قاضیٔ وقت نے فیصلہ دے دیا، لاش کو نذر زنداں کیا جائے گا
اب عدالت میں یہ بحث چھڑنے کو ہے یہ جو قاتل کو تھوڑی سی زحمت ہوئی
یہ جو خنجر میں ہلکا سا خم آ گیا، اس کا تاوان کس سے لیا جائے گا؟

عامر عثمانیؒ

ماہ محرم الحرام،فضائل واحکام

محمد سعید اللہ قاسمی مہراج گنجی
مدیر:۔ماہنامہ المناظر

ماہ محرم بالخصوص یوم عاشورہ کی رفعت شان، اور فضیلت و اہمیت قبل اسلام بھی مسلم تھی، مشرکین عرب احترام کی وجہ سے اس مقدس مہینے میں قتل وقتال کو ممنوع و ناروا سمجھتے تھے،تاریخ کے عظیم واقعات اس سے وابستہ ہیں، یہ اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے،احادیث مبارکہ میں اس کو شھر اللہ (اللہ کا مہینہ) کہا گیا ہے،اشہر حرم میں داخل ہونے کی وجہ سے اس کی فضیلت براہ راست قرآن میں منصوص ہے،**ان عدۃ الشھور عنداللہ اثنا عشر شھرا فی کتاب اللہ یوم خلق السموت والارض منھا اربعہ حرم** .(التوبہ) کہ مہینوں کا شمار اللہ کے یہاں بارہ ہے،لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے جب سے آسمان وزمین پیدا ہوئے،ان میں چار مہینے محترم ہیں۔
ان چار مہینوں میں رجب،ذوالقعدہ،اورذوالحجہ کے ساتھ ساتھ محرم الحرام بھی داخل ہے۔ .

بخاری ص۶۳۲ ج ۲/

ان میں عبادت خداوندی کا خاص اہتمام کرنا چاہئے کیونکہ اعمال صالحہ کا ثواب ان میں زیادہ ہوتا ہے،اور گناہوں سے بچنے کا بھی خاص اہتمام ہونا چاہئے،اس لئے کہ ان میں گناہ کا وبال بھی زیادہ ہوتا ہے .(ابن عباس) ان مہینوں میں گناہ کرنا اور مہینوں کے مقابلے میں زیادہ برا ہے جس طرح کہ حرم میں گناہ دوسری جگہوں کے مقابلے زیادہ برا ہے۔(تفسیر ابن کثیر ص۵۵۴/ ج ۲/)

حضرت قتادہ فرماتے ہیں:ان محترم مہینوں میں ظلم کا گناہ دوسرے مہینوں میں ظلم سے زیادہ ہوتا ہے،اگر چہ ظلم ہر حال میں بڑا گناہ ہے،لیکن اللہ تعالیٰ اپنے جس حکم کو چاہتے ہیں بڑا بنا دیتے ہیں۔نیز آپ نے فرمایا:اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کچھ کو منتخب فرمایا،چنانچہ ملائکہ میں سے کچھ کو پیغام رساں بنایا،انسانوں میں سے کچھ کو رسالت سے نوازا،کلاموں میں سے اپنے کلام کو منتخب فرمایا، زمین میں سے اپنی مساجد کو چھانٹ لیا،مہینوں میں سے رمضان اور اشھر حرم کو فضیلت دی،راتوں

میں سے شب قدر کو امتیاز بخشا، لہذا اللہ تعالیٰ نے جن امور کو فضیلت دی ان کو بڑا سمجھو، عقلمندوں کے نزدیک وہی امور بڑے ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بڑا بنایا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۴۵۵ ج ۲)

امام جصاص رازی احکام القرآن میں رقم طراز ہیں: اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ان متبرک مہینوں کی خاصیت ہے کہ ان میں جو شخص عبادت کرتا ہے اس کو بقیہ مہینوں میں بھی عبادت کی توفیق ہوتی ہے، اور جو شخص کوشش کر کے ان مہینوں میں اپنے آپ کو گناہوں اور دوسرے کاموں سے بچالے تو باقی سال کے مہینوں میں اس کو ان برائیوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے، اس لئے ان مہینوں کا فائدہ نہ اٹھانا ایک عظیم نقصان ہے۔ بحوالہ معارف القرآن ص ۳۷۳ ج ۴)

محرم کے روزوں کی فضیلت

محرم الحرام کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ اس مہینے کا روزہ رمضان کے بعد سب سے افضل ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **افضل الصیام بعد رمضان شهر الله المحرم، و افضل الصلوة بعد الفريضة صلوة الليل**۔ مسلم

رمضان المبارک کے بعد اللہ کے مہینے محرم کے روزے سب روزوں سے افضل ہیں، اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز آدھی رات یعنی تہجد کے وقت پڑھی جانے والی نماز ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا ایک صاحب نے آکر پوچھا یا رسول اللہ رمضان کے مہینہ کے بعد کس مہینے کے روزے رکھنے کا آپ مجھے حکم دیتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ان كنت صائما بعد شهر رمضان فصم المحرم فانه شهر الله .فيه يوم تاب الله فيه على قوم و يتوب فيه على قوم آخرين**. (ترمذی ص ۱۵۷ ج ۱)

اگر رمضان کے مہینہ کے بعد تم کو روزہ رکھنا ہو تو محرم کا روزہ رکھو، اس لئے کہ یہ اللہ کا مہینہ ہے، اس میں ایک دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم (بنی اسرائیل) کی توبہ قبول کی اور دوسرے لوگوں کی توبہ بھی قبول فرمائیں گے۔

اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **من صام يوما من المحرم فله لكل يوم ثلاثون يوما**. (الترغیب والترہیب ص ۲۱۳ ج ۲)

یعنی جو شخص محرم کے ایک دن میں روزہ رکھے اس کو ہر دن کے روزہ کے بدلے تیس دن

روزہ رکھنے کا ثواب ملے گا.

یوم عاشورہ کی تاریخی اہمیت

یوں تو پورا ماہ محرم الحرام ہی بڑا بابرکت، مقدس اور عظمت و رفعت والا مہینہ ہے، لیکن اس میں بھی یوم عاشورہ اپنے علوشان، عظمت اور تاریخی اہمیت کی وجہ سے محرم کے دوسرے ایام سے ممتاز ہے. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ قریش کے لوگ دور جاہلیت میں عاشورہ کا روزہ رکھا کرتے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ روزہ رکھتے تھے، پھر جب آپ مدینہ تشریف لائے تب بھی عاشورہ کا روزہ رکھنے کا آپ نے حکم دے رکھا تھا . البتہ جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کی فرضیت ختم ہوگئی۔لہذا اب جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔ بخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دور جاہلیت میں لوگ عاشورہ کا روزہ رکھا کرتے تھے، اور اللہ کے رسول اور مسلمان بھی اس دن روزہ رکھتے تھے . پھر جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ان عاشورا یوم من ایام الله، فمن شاء صامه و من شاء ترکه.** مسلم

عاشورہ اللہ تعالیٰ کے دنوں میں سے ایک (معزز) دن ہے، لہذا جو اس دن روزہ رکھنا چاہے وہ روزہ رکھے اور جو نہ رکھنا چاہے وہ نہ رکھے۔

اسی طرح مشرکین مکہ کے علاوہ مدینہ کے یہود بھی عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے اور اس دن وہ عید مناتے تھے . چنانچہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: **ان رسول الله صلی الله علیه و سلم قدم المدینه فوجد الیهود صیامایوم عاشورا، فقال لهم رسول الله صلی الله علیه و سلم ما هذا الیوم الذی تصومونه؟ فقالوا هذا یوم عظیم انجی الله فیه موسی وقومه، و غرق فرعون و قومه، و صامه موسی شکرا فنحن نصومونه . فقال رسول الله صلی الله علیه و سلم: فنحن احق و اولی بموسی منکم .فصامه رسول الله صلی الله علیه و سلم و امر بصیامه.** بخاری ومسلم

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو یہودیوں کو عاشورہ کا روزہ رکھتے ہوئے پایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا اس دن تم لوگ روزہ کیوں رکھتے ہو؟ تو وہ لوگ کہنے لگے یہ بہت بڑا دن ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی

اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات عطا فرمائی، اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کر دیا، اور موسی علیہ السلام نے بطور شکر اس دن روزہ رکھا تھا، چنانچہ ہم بھی روزہ رکھتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہم تم سے زیادہ موافقت رکھنے کے حقدار ہیں. پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی رکھنے کا حکم دیا۔

چنانچہ سلمٰی بن الاکوع اور ربیع بن معاذ بن عفراءؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عاشورہ کی صبح مدینہ منورہ کے آس پاس کی ان بستیوں میں جن میں انصار رہتے تھے یہ اطلاع بھجوائی کہ جن لوگوں نے ابھی تک کچھ کھایا پیا نہ ہو وہ آج کے دن روزہ رکھیں، اور جنہوں نے کچھ کھا پی لیا ہو وہ بھی دن کے باقی حصے میں کچھ نہ کھائیں بلکہ روزے داروں کی طرح رہیں بعد میں جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کے روزے کی فرضیت منسوخ ہوگئی اور اس کی حیثیت ایک نفل روزہ کی رہ گئی . بخاری و مسلم

لیکن اس کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہی رہا کہ رمضان المبارک کے فرض روزوں کے علاوہ نفلی روزوں میں سب سے زیادہ اسی روزہ کا اہتمام فرماتے تھے۔ معارف الحدیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **ما رایت النبی صلی الله علیه و سلم یتحری صیام یوم و فضله علی غیره الا هذا الیوم یوم عاشورا و هذا الشهر یعنی شهر رمضان.** (بخاری و مسلم) میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ کسی دن روزے کا جس کی فضیلت دوسرے پر بیان فرمائی ہو، اہتمام اور قصد کرتے ہوں سوائے عاشورہ کے روزہ کے اور رمضان کے مہینہ کے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **لیس لیوم فضل علی یوم فی الصیام الا شهر رمضان و یوم عاشورا.** (الطبرانی) روزہ کے سلسلے میں کسی بھی دن کو کسی دن پر فضیلت حاصل نہیں مگر ماہ رمضان المبارک کو اور یوم عاشورہ کو۔ کہ ان کو دوسرے دنوں پر فضیلت حاصل ہے۔

عاشورہ کے روزے کا ثواب

حضرت ابوقتادہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **انی احتسب علی الله ان یکفر السنة التی قبله.** (مسلم، ابن ماجہ) عاشورہ کے روزہ کے بارے میں مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ ایک سال گذشتہ کے گناہ معاف فرمادیں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

جس نے عرفہ کا روزہ رکھا اس کے ایک سال آئندہ اور ایک سال گذشتہ کے گناہ معاف کر دیئے گئے، اور جس نے عاشورہ کا روزہ رکھا اس کے گذشتہ ایک سال کے گناہ معاف کر دیئے گئے۔ مسلم وترمذی امام ترمذی فرماتے ہیں کہ صرف اسی ایک حدیث میں یہ فضیلت ہم کو معلوم ہے۔ امام احمد اور اسحاق اسی کے قائل ہیں۔ (ترمذی ص ۱۵۱ ج ۱)

عاشورہ کا روزہ رکھنے کا طریقہ

مگر چونکہ عبادات و معاملات میں یہود و نصاریٰ کی موافقت شریعت اسلامیہ میں جائز و درست نہیں ہے، اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کے روزہ کے ساتھ ان کی مخالفت کا حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **صوموا یوم عاشورا و خالفوا الیهود، صوموا قبله یوما او بعده یوما**۔ عاشورہ (دس محرم) کا روزہ رکھو، لیکن یہود کی مخالفت بھی بایں طور کرو کہ اس کے بعد یا اس کے قبل ایک روزہ اور ساتھ ملا لیا کرو۔ یعنی نو دس محرم الحرام یا دس گیارہ محرم کا روزہ رکھا کرو۔ (مسند احمد ص ۲۴۱ ج ۱)

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نے فرمایا ہے کہ عاشورہ کے روزہ کی تین شکلیں ہیں (۱) نویں، دسویں، اور گیارہویں تینوں کا روزہ رکھا جائے۔ (۲) نویں اور دسویں یا دسویں اور گیارہویں کا روزہ رکھا جائے۔ (۳) صرف دسویں تاریخ کا روزہ رکھا جائے۔ ان میں پہلی شکل سب سے افضل ہے، اور دوسری شکل کا درجہ اس سے کم ہے، اور تیسری شکل کا درجہ سب سے کم ہے۔ اور اس تیسری شکل کو فقہاء نے کراہت سے تعبیر کر دیا ہے، ورنہ جس روزہ کو آپ نے رکھا ہو اور آئندہ نویں کا روزہ رکھنے کی صرف تمنا کی ہو اس کو کیسے مکروہ کہا جا سکتا ہے؟ معارف السنن ص ۴۳۳ ج ۵

حاشیہ ترمذی میں مرقوم ہے کہ صوم محرم کے تین مراتب ہیں (۱) سب سے افضل نو دس اور گیارہ، تین دن (۲) نو اور دس دو دن (۳) صرف دس کو ایک دن۔ نو اور دس میں کئی حدیثیں آئی ہیں۔ دس اور گیارہ کو کوئی درجہ نہیں، صرف نو کا روزہ بھی سنت نہیں۔ حاشیہ ترمذی ص ۱۵۸ ج ۱

اہل وعیال پر وسعت کے ساتھ خرچ کرنا

عاشورہ کے دن اہل وعیال پر وسعت کے ساتھ خرچ کرنا راجح قول کے مطابق پسندیدہ اور مستحب عمل ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و

سلم نے فرمایا:من وسع علی عیالہ یوم عاشورا وسع اللہ علیہ السنۃ کلھا. جوکوئی عاشورہ کے دن اپنے اہل وعیال پر وسعت کریگا اللہ تعالیٰ اس پر پورے سال وسعت اور فراخی فرمائیں گے۔اس روایت کے طرق اسناد میں گرچہ ضعف ہے لیکن بعض کو بعض سے ملایا جائے تو قوت پیدا ہوجاتی ہے۔مقاصد للسخاوی ص ۴۷۶

ماہ محرم کے مسنون کام

مذکورہ بالا تفاصیل سے روز روشن کی طرح یہ بات عیاں ہوگئی کہ ماہ محرم بہت ہی بابرکات اور مقدس مہینہ ہے،لہذا ہمیں چاہئے کہ اس باعظمت مہینہ میں زیادہ سے زیادہ عبادات میں مشغول ہوکر خدائے تعالیٰ کی خاص الخاص رحمت کا اپنے آپ کو مستحق بنائیں،روزہ رکھیں،اہل وعیال پر وسعت سے خرچ کریں،توبہ واِستغفار کریں،اور گناہوں سے مکمل اجتناب ہو۔لیکن افسوس کا مقام ہے کہ امت کا ایک بڑا طبقہ مضحکہ خیز شیعی پروپیگنڈوں سے متاثر ہوکر طرح طرح کی بدعات وخرافات میں مبتلا ہے۔اور رضاء خداوندی کی خاطر طاعات وبندگی میں مشغول ہونے کے بجائے بے جھجھک ان امور قبیحہ کا ارتکاب کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے والے اور اسلام کی رسوائی کا ذریعہ ہیں،اور جن سے معصیت میں اضافہ ہوتا ہے اور نامہ اعمال کی سیاہی بڑھتی ہے،لہذا افرزندان ملت کو درج ذیل امور سے خاص طور پر اجتناب کرنا چاہئے:

قابل اجتناب امور

(۱) حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کی بحث کے ضمن میں جلیل القدر صحابہ کرام بطور خاص حضرت امیر معاویہ اوران کے رفقاء وغیرہ کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنانا،یا ایسے الفاظ سے ان کا ذکر کرنا جس سے ان کی عظمت شان میں کچھ کمی آتی ہو ۔

(۲) ماہ محرم کو غم اور سوگ کا مہینہ سمجھ کر اس میں شادی بیاہ نہ کرنا ۔

(۳) دس محرم الحرام کو تعزیہ نکالنا،اسے قابل تعظیم سمجھنا،واقعہ کربلا کو شیعوں کی طرح مبالغہ آمیزی کے ساتھ بیان کرنا،کھچڑا بنانا،حلیم پکانا،مٹھائی تقسیم کرنا،سبیلیں لگانا،تعزیہ اور ماتم کے جلوسوں میں شرکت کرکے ان کی رونق میں اضافہ کرنا،مرثیہ خوانی اور سینہ کوبی کرنا،اظہار غم کی خاطر کالا لباس پہننا،یا عمدہ لباس ترک کرکے ننگے سر اور ننگے قدم رہنا،دس محرم کو حضرت حسین کے نام پر فاتحہ اور نذر ونیاز دینا وغیرہ۔

قسط/۱

قرآن مجید کے اردو تراجم

سید محبوب رضویؒ

اسلام جب عرب سے نکل کر دوسرے ممالک میں پہنچا جو عربی زبان سے بے بہرہ تھے اور ورأیت الناس یدخلون فی دین الله افواجا. کی پیشینگوئی کے مطابق لوگ جوق در جوق اسلام کے دائرہ میں داخل ہونے لگے تو ان کو ضرورت پیش آئی کہ کتاب اللہ کو ترجمہ کے ذریعہ سے اپنی ملکی زبان میں سمجھیں۔ چنانچہ اس قسم کی کوشش کی ابتدا چوتھی صدی ہجری میں بخارا کے سامانی سلاطین (۲۶۱۔۲۸۵ھ) کے عہد سے ہوتی ہے، ساتویں صدی ہجری میں علامہ نجم الدین ابوعمرو زاہدیؒ (وفات ۶۵۸ھ) نے تفسیر زاہدی کے نام سے فارسی میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا اور تفسیر لکھی جس نے کافی شہرت حاصل کی۔ پھر آٹھویں اور نویں صدی ہجری میں سید شریف علی الجرجانیؒ (وفات ۸۱۶ھ) نے قرآن مجید کا فارسی ترجمہ کیا، وہ آج کل عام طور پر شیخ سعدیؒ (وفات ۶۹۱ھ) کی جانب منسوب (۱) ہے۔ اور ملا حسین واعظ کاشفی (وفات ۹۰۶ھ) نے تفسیر حسینی لکھی۔

(البیان فی علوم القرآن ص/۴۹۰ و ۴۹۱)

پچھلی صدیوں سے قرآن مجید کے تراجم میں بکثرت اضافہ ہوتا جا رہا ہے، اور ستر ہویں صدی سے اب تک یورپ و ایشیاء کی تقریبا ۳۹/زبانوں میں کم و بیش ۱۳۳ ترجمہ شائع ہو چکے ہیں، حتی کہ اب یورپ کی کوئی زبان ایسی نہیں ہے جسے علمی زبان کہا جا سکے اور اس میں قرآن مجید کے متعدد

(۱) شیخ سعدی شیرازیؒ کی جانب قرآن مجید کا جو مطبوعہ ترجمہ منسوب ہے وہ دراصل سید شریف علی الجرجانی کا ترجمہ ہے یہ ترجمہ جب پہلی مرتبہ پریس سے شائع ہوا تو تجارتی اغراض و منافع کے پیش نظر شیخ کے نام کی شہرت سے فائدہ اٹھانے کی بعینہ اسی طرح کوشش کی گئی جس طرح مخفی زشتی کے دیوان کو شاہزادی زیب النساء کے نام سے (جس کا تخلص بھی اتفاق سے مخفی ہے) منسوب کر کے اور تجارتی گرم بازاری پیدا کر کے نفع حاصل کیا گیا جو مخفی کے انتساب کے ساتھ مشکل تھا۔ مولانا عبدالحقؒ صاحب تفسیر حقانی کا چشم دید بیان ہے کہ:۔ جس کو آج کل جہلا سعدی کا ترجمہ کہتے ہیں وہ دراصل سید شریف کا ترجمہ ہے، صاحب مطبع نے میرے سامنے رواج دینے کے لئے سعدی کی طرف منسوب کر دیا ہے (البیان ص/۴۹۱) علاوہ ازیں خود شیخ سعدی کی تصانیف اور ان کے اشعار سے قرآن کے ترجمہ کرنے کا مطلقا سراغ نہیں ملتا اور پھر نہ صرف یہ بلکہ شیخ کے تذکرہ نگاروں اور سوانح نویسوں نے بھی جن میں سے بعض کو تحقیق کا درجہ حاصل ہے شیخ کے قرآن کا ترجمہ کرنے کی جانب کوئی اشارہ تک نہیں کیا۔ درانحالیکہ انھوں نے شیخ کی معمولی معمولی تصانیف اور اشعار پر محققانہ بحثیں کی ہیں اور شیخ کے گم شدہ کلام کا ڈھونڈ ڈھونڈ کر کھوج نکالا ہے۔ س۔م

تراجم نہ ہو چکے ہوں۔ انگریزی اور فرانسیسی میں تو بعض بعض ترجمہ تیس اور پینتیس پینتیس ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، پچھلے دنوں برہان فروری ۱۹۴۰ء میں الہلال مصر کے حوالہ سے تراجم قرآن کی ایک فہرست شائع ہوئی تھی جس میں تقریبا ۱۲۵ ترجموں کی تفصیلات درج تھیں، اصل فہرست تو بہت طویل ہے اجمالا چند مشہور زبانوں کے تراجم کی تعداد درج ذیل ہے۔

(۱)انگریزی	۱۷ترجمہ	(۲)جرمنی	۱۳ؗ//	(۳)اٹالین	۸//
(۴)فرنچ	۷//	(۵)اسپین	۶//	(۶)ہالینڈ	۵//
(۷)چینی	۴//	(۸)فارسی	۶//	(۹)بنگالی	۵//
(۱۰) گجراتی	۴//	(۱۱)پنجابی	۴//	(۱۲)ہندی	۲//

ہندوستان میں قرآن مجید کے ترجمہ کی ابتداء شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ اوران کے اخلاف کرام سے ہوتی ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ (۱۱۱۴۔۱۱۷۶ھ) کی فارسی ترجمے کے بعد ۱۲۰۵ھ میں شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے قرآن مجید کا اردو میں ترجمہ کیا، تمام موجودہ ترجموں میں یہ سب سے پہلا ترجمہ ہے جو اردو میں ہوا۔ جیسا کہ خود شاہ عبدالقادرؒ کا بیان ہے، فرماتے ہیں کہ:۔

’’اس بندہ عاجز عبدالقادرؒ کے خیال میں آیا کہ جس طرح ہمارے بابا صاحب بہت بڑے حضرت شاہ ولی اللہؒ عبدالرحیمؒ کے بیٹے سب حدیثیں جاننے والے نے فارسی زبان میں قرآن کے معنی آسان کر کے لکھے ہیں، اسی طرح عاجز نے اردو زبان میں قرآن کے معنی آسان کر کے لکھے، الحمدللہ کہ یہ آرزو ۱۲۰۵ھ میں حاصل ہوئی۔ (موضح القرآن ج ۱رص ۲)

یہاں یہ عرض کرنا غالبا مناسب نہ ہوگا کہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ شاہ رفیع الدینؒ دہلوی کے تحت اللفظ ترجمہ کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔ غالبا یہ خیال شاہ رفیع الدین صاحبؒ کی بزرگی عمر کے پیش نظر قائم ہو گیا ہے جو بظاہر روایۃً اور درایۃً صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ اگر شاہ رفیع الدینؒ کا ترجمہ پہلے ہو چکا ہوتا تو موضح القرآن میں جہاں شاہ عبدالقادرؒ نے شاہ ولی اللہؒ صاحب کے فارسی ترجمہ کا ذکر کیا ہے کوئی وجہ نہ تھی کہ بڑے بھائی کے ترجمہ کو نظر انداز کر جاتے۔

اردو کے قدیم تراجم میں ایک ترجمہ دہلی کے مشہور طبیب حکیم شریف خان (وفات ۱۲۲۲ھ) کا بھی بتلایا جاتا ہے، لیکن یہ ترجمہ اب تک شائع نہیں ہوسکا۔

(مقدمہ شرح حمیات قانون حکیم شریف خان ص ۱۲)

مولوی امانت اللہ نے بھی ۱۲۱۹ھ میں فورٹ ولیم کالج میں ڈاکٹر گل کرائسٹ کے حکم سے ایک ترجمہ کیا تھا مگر یہ ترجمہ پورا نہیں ہوسکا اور نہ یہ معلوم ہے کہ قرآن کے کس قدر حصہ کا ہو پایا تھا، البتہ سورہ فیل سے آخر تک ۱۰رسورتوں کا ترجمہ شائع ہوگیا ہے۔(ارباب نثر اردو رص ر۱۴۴ و ۱۴۵)

پھر اسی زمانہ میں عزیز اللہ ہمرنگ دکنی نے پارہ عم کا اردو میں ترجمہ کیا، اس ترجمہ کا تاریخی نام چراغ ابدی (۱۲۲۱ھ) ہے۔

بہر حال موجودہ تمام تراجم میں شاہ عبدالقادر کا ترجمہ سب سے زیادہ قدیم ترجمہ ہے اور بعد کے تمام مترجمین نے اپنے اپنے ترجموں میں اس ترجمہ کو بنیاد قرار دیا ہے، شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اس ترجمہ کو ۱۲ سال کے طویل اعتکاف میں پورا کیا ہے۔ ترجمہ باوجودیکہ خاصا تحت اللفظ ہے مگر نقش اول ہونے کے باوجود اغلاق سے قطعاً پاک اور مبرا ہے، دوسرے مترجمین کا عام انداز یہ ہے کہ وہ اپنے اپنے تراجم میں قرآن کی مراد کو واضح کرنے کے لئے جا بجا قوسین میں اپنی جانب سے الفاظ بڑھاتے ہیں تاکہ سمجھنے میں سہولت پیدا ہوسکے، اور یہ بات تو بالعموم ہر ترجمہ میں پائی جاتی ہے کہ اس کو بامحاورہ کرنے کے لئے آیت کے آخری الفاظ کا ترجمہ شروع میں اور پہلے حصہ کا آخر میں کرتے ہیں، لیکن ہر لفظ کا ترجمہ اس کے نیچے ہونے اور پھر عبارت کے بامحاورہ اور عام فہم رہنے کا کمال صرف اسی ترجمہ میں ملتا ہے، غرضیکہ یہ ترجمہ مستند ہونے کے علاوہ بامحاورہ اور سلیس بھی ہے اور سہل و آسان بھی۔ ترجمہ کا نمونہ یہ ہے۔

''سب تعریف اللہ کو ہے، جو صاحب سارے جہاں کا بہت مہربان نہایت رحم والا، مالک انصاف کے دن کا، تجھی کو بندگی کریں اور تجھی سے مدد چاہیں، چلا ہم کو راہ سیدھی، راہ ان کی جن پر تو نے فضل کیا، نہ ان کی جن پر غصہ ہوا اور نہ بہکنے والے''۔

یہ ترجمہ متفقہ طور پر مستند سمجھا جاتا ہے، اور اپنی گوناگوں خصوصیات کی بنا پر آج تک بے مثال ہے، مولانا سید سلیمان ندویؒ کا قول ہے کہ شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمہ اور حواشی کی خوبی کا اصلی اندازہ وہی لگا سکتا ہے جس نے خود قرآن پاک کے سمجھنے کی تھوڑی کوشش کی ہے۔

یہ ترجمہ پہلی مرتبہ ۱۲۵۳ھ میں کلکتہ سے دو جلدوں میں شائع ہوا ہے، پہلی جلد سورہ کہف تک ہے اور دوسری سورہ مریم سے آخر تک اور موضح القرآن کے ساتھ پہلی مرتبہ ۱۳۰۷ھ میں مطبع احمدی دہلی میں چھپا ہے، اس کے بعد سے اب تک متن قرآن اور موضح القرآن کے ساتھ اس کے متعدد

ایڈیشن مختلف سنین میں مختلف مطابع سے شائع ہو چلے ہیں، ۱۳۳۸ھ میں حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے اس ترجمہ کی تجدید وتہذیب کی ہے، یہ تفصیل آگے آئے گی۔

(۲) ترجمہ شاہ رفیع الدینؒ:۔ اردو میں یہ دوسرا ترجمہ ہے، شاہ عبدالقادرؒ کا ترجمہ با محاورہ سمجھا جاتا ہے اور یہ تحت اللفظ، شاہ رفیع الدین کا کمال یہ ہے کہ غایت اللفظ کا ترجمہ کرنے کے التزام کے باوجود ایک خاص حد تک سہولت اور مطلب خیزی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ یہ ترجمہ شاہ رفیع الدینؒ کے شاگرد سید نجف علی کا جمع کیا ہوا ہے۔ تفسیر رفیعی کے دیباچہ میں ہے:۔

''کہتا ہے خاکسار میر عبدالرزاق بن سید نجف علی المعروف بہ فوجدار خان کے والد بزرگوار نے بخدمت جناب عالم باعمل و فاضل بے بدل واقف علوم معقول ومنقول خلاصہ علمائے متاخرین مولوی رفیع الدینؒ نے عرض کیا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ ترجمہ کلام اللہ تحت لفظی آپ سے پڑھ کر زبان اردوں میں لکھوں پھر آپ اس کو ملاحظہ فرما کر اصلاح دے کر درست فرما دیا کریں، چنانچہ آپ نے قبول فرمایا اور تمام کلام اللہ اسی طرح سے مرتب ہوا اور رواج پایا۔ (تفسیر رفیعی ص ۲/۲ ۱۲۷۱ھ)

شاہ رفیع الدینؒ کے ترجمہ کا طرز یہ ہے:۔

''سب تعریف واسطے اللہ تعالی کے پرودگار عالموں کا، بخشش کرنے والا مہربان، خداوند دن جزا کا، تجھ ہی کو عبادت کرتے ہیں ہم، اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں ہم، دکھا ہم کو راہ سیدھی راہ، ان لوگوں کی کہ نعمت کی ہے تو نے اوپر ان کے، سوا ان کے جو غصہ کیا گیا ہے اوپر ان کے اور نہ گمراہوں کی۔

شاہ رفیع الدین کا یہ ترجمہ پہلی مرتبہ ۱۲۵۶ھ میں شاہ عبدالقادرؒ کے فوائد موضح القرآن کے ساتھ کلکتہ کے ایک قدیم مطبع اسلامی پریس نامی میں چھپا ہے، اس کے بعد سے اب تک برابر اس کی اشاعت جاری ہے اور مختلف مطابع سے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ (۱)

ترجمہ قرآن کے طلباء کے لئے یہ ترجمہ بہت مفید ہے، اس سے قرآن کے ایک ایک لفظ کے معنی کا پتہ چل جاتا ہے۔

☆-----☆-----☆

(۱) تراجم کی یہ ترتیب سن طباعت کے لحاظ سے مرتب کی گئی ہے، اس ترتیب سے قرآن مجید کے تراجم کی ارتقائی تاریخ کے ساتھ ساتھ اردو زبان وانشاء کے تدریجی ارتقاء پر بھی فی الجملہ روشنی پڑ جاتی ہے۔ س۔م

اسلام اور امن عالم

مفتی شرف الدین عظیم قاسمی اعظمی

انسان ایک بہتے دریا کی مانند ہے، جو اپنے سفر کے لئے راستہ چاہتا ہے'،سنگلاخ وادیوں میں وہ سرکش موجوں کی صورت اختیار کرلیتا ہے، بیتاب رہتا ہے،اس کی لہریں اچھلتی ہیں،کودتی ہیں، بے قراری کا مظاہرہ کرتی ہیں۔مگر جب اسے ہموار سطح ملتی ہے،راستے کھلے ہوتے ہیں تو موجیں ساکن ہوجاتی ہیں۔لہریں خاموش ہوجاتی ہیں۔انسانی زندگی بھی سکون واطمینان کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھنا چاہتی ہے،اس سفر میں راستوں کی ہموارگی، رکاوٹ ڈالنے والی چٹانوں کی عدم موجودگی،منزلوں پر پہونچنے کی آسانیاں،اورسکون اطمینان کے ساتھ زندگی کی تعمیر کی آزادیاں امن کہلاتی ہیں۔

معاشرے کی ترقی کے لئے،اس کی فلاح کے لئے،زندگی کے انفرادی واجتماعی سفر کے لئے امن ایسے ہی ضروری اور لازم ہے جیسے زندگی کی بقا کے لئے پانی اور ہوا۔انسان کی فطرت میں امن ہے'جو ملکوتی صفت ہے اور زندگی کے افق پر ہمدردی،رحمدلی،غمگساری،اخوت،محبت، شفقت ورحمت کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔اس کے برعکس خودغرضی،مفاد پرستی،زرپرستی،انا پرستی، کی شکل میں جوعناصر جنم لیتے ہیں وہ فطرت کے خلاف ہیں'اور حیوانیت وشیطانیت کی مکروہ وتباہ کن صورتیں ہیں جوفرد کی زندگی سے لیکر معاشرے اور ملک کی تباہیوں کا باعث ہوتی ہیں،جس معاشرے میں یہ عناصر جڑ پکڑ لیتے ہیں بربادیاں اس کا مقدر ہوجاتی ہیں، بے چینیاں اس کا حصہ ہوجاتی ہیں، دیمک کی طرح نہیں بلکہ آگ کے شعلوں کی طرح فتنے اور فساد انسانیت کے گلشنوں کو جلا کر خاکستر کرڈالتے ہیں،انسان اپنی ذات کے حصار سے باہر نہیں نکل پاتا ہے،اس کی زندگی کا مقصود اپنی ذات کی عیاشیوں اور مخصوص مفادات کے دائرے میں محصور ہوکر رہ جاتا ہے،وہ دنیا میں صرف اپنے حقوق کی شناخت اور پہچان میں مست رہتا ہے،اس کے لئے وہ ہرجائز اور ناجائز شکلوں کو اختیار کرتا ہے،وہ ظلم کرتا ہے،فساد کرتا ہے،تشدد پر آمادہ ہوتا ہے،دوسروں کے حقوق سے اسے کوئی دلچسپی نہیں

ہوتی، کائینات کے تمام وسائل پر تنہا اپنا حق سمجھتا ہے،اس کے حصول کے لیے وہ دوسرے مما لک پر حملہ آور ہوتا ہے، آگ وخون کا ماحول پیدا کرتا ہے یہاں تک کہ اپنے ہی جیسے انسانوں کے قتل سے بھی اس کا مردہ وکمزور ضمیر روک نہیں پاتا۔نیتجتاً معاشرہ،قبیلہ،قوم،ملک لامتناہی جنگوں کے لامحدود صحرا میں سرگرداں تباہیوں کے دہانے پر پہنچ جاتا ہے۔

اسلام امن کی وہی آواز ہے جو انسانیت کا پتہ بتاتی ہے،انسانیت کی تعمیر کا جذبہ فراہم کرتی ہے،معاشرے کو اوج ثریا پر لے جانے والے راز کھولتی ہے۔یہ فطرت سے ہم آہنگ ہے، بلکہ فطرت ہی کا دوسرا نام اسلام ہے،جس کی بنیادوں میں امن وسلامتی کی اینٹیں نصب ہیں'،اور اسی بنیاد پر اس کی عمارت کھڑی ہے،اسی عمارت میں انسانیت کی پرورش ہوئی ہے،اسی میں اس کی نشو ونما ہوئی ہے،اسی میں گمراہ،زخم زخم،اور صدیوں کی ستائی ہوئی مظلوم انسانیت نے حقیقی زندگی پائی،اسے اس کا واقعی درجہ ملا،حقوق ملے،احترام ملا،عزتوں کے تاج سے سرفراز ہوئی،ارتقاء آشنا ہوئی،اور رفعتوں کے عروج پر پہونچی۔۔۔۔۔۔یہ عہد تھا چھٹی صدی عیسوی کا۔جب ہر طرف شیطانیت رقص کررہی تھی،حیوانیت ننگا ناچ کھیل رہی تھی،ظلم وسفاکیت کی ہر سو حکمرانی تھی،انسانیت سر بازار رسوا تھی۔کرہ ارض پر پھیلی ہوئی بربریت کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں کہیں نام کو بھی آدمیت کی کرن دکھائی نہیں دے رہی تھی۔دفعتاً فاران کی چوٹیوں سے آفتاب رسالت طلوع ہوا،اور تیئیس سال کی مختصر مدت میں پورا جزیرہ العرب ہی نہیں بلکہ عجم کے بہت علاقے بھی اس کی روشنی میں نہا گئے۔سفاک ذہنیت رحمدل ہوگئی۔۔نفرتوں کے سوداگر محبتوں کی آواز بن گئے۔حیوانیت کا رقص کرنے والے انسانیت کے ترجمان بن گئے۔۔۔دشمنیاں دوستی اور اخوت میں بدل گئیں۔بات بات خون خرابہ کرنے والے جنگجو امن کے پیامبر بن کر سارے عالم پر چھا گئے۔

یہ نتیجہ تھا اسلام کی فطرت کا۔اس کی آفاقیت کا اور اس کی عالم گیریت کا اور اس کی انسانیت نوازی وانسانیت سازی کا۔وقت کے مؤرخ نے جب جب بھی انصاف کی نظر سے اسلام کو دیکھا ہے'۔اس کی گہرائیوں میں اترا ہے۔اس کے دل نے بے ساختہ گواہی دی ہے کہ امن کی تعلیم،امن کی ترویج،امن کی اشاعت،اور اس کی پرورش کے حوالے سے اسلام جس مقام پر ہے' دنیا کے کسی بھی مذہب کو یہ درجہ حاصل نہیں ہے'۔اور سچی بات یہ ہے کہ دوسرے ادیان ومذاھب اسلام کی گرد کو بھی نہیں پہونچے ہیں۔

محسن کائنات فخر دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سراپا ساری انسانیت کے لیے رحمت ومحبت تھی۔اس کی شہادت جہاں آپ کے کرداروں نے دی ہے وہیں خداوند عالم کی کتاب قرآن کریم نے بھی ’’وما ارسلناک الا رحمت اللعالمین‘‘ کی صورت میں دی ہے۔اسلام کے نزدیک انسانیت کے رتبے کا اندازہ اس آیت سے لگایا جاسکتا ہے جو قران مجید میں مذکور ہے۔

من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا ط ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا (مائدہ آیت نمبر۳۲) جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کردیا۔اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی،دنیا میں نوع انسانی کی زندگی کا بقا منحصر ہے اس پر کہ ہر انسان کے دل میں دوسرے انسانوں کی جان کا احترام موجود ہو اور ہر ایک دوسرے کی زندگی کے بقا وتحفظ میں مددگار بننے کا جذبہ رکھتا ہو۔جو شخص ناحق کسی کی جان لیتا ہے' وہ صرف ایک ہی فرد پر ظلم نہیں کرتا بلکہ یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ اس کا دل حیات انسانی کے احترام سے اور ہمدردی نوع کے جذبے سے خالی ہے' لہذا وہ پوری انسانیت کا دشمن ہے' کیونکہ اس کے اندر وہ صفت پائی جاتی ہے جو اگر تمام افراد انسانی میں پائی جائے تو پوری نوع کا خاتمہ ہو جائے۔

(تفہیم القرآن سورہ مائدہ ماتحت آیت مذکور)

یہ تصور کہ پوری انسانیت وہ مسلم ہو کہ غیر مسلم پروردگار عالم کا خاندان ہے،صرف اسلام ہی کا امتیاز ہے،سرور عالم کا ارشاد ہے،’’**الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من أحسن الی عیالہ** (رواہ البیہقی فی شعب الایمان) ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ وخاندان ہے،سو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ وہ شخص ہے' جو اس کے عیال یعنی اس کے بندوں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرتا ہے‘‘،بندوں کے ساتھ حسنِ سلوک رحمدلی کی اسپرٹ پیدا کرنے والی اس سے زبردست کیا تعلیم ہوسکتی ہے کہ رحم کرنے والے خداوند عالم کی توجہ کے حصار میں رہتے ہیں۔

ارشاد نبوی ہے ’’**الراحمون یرحمھم الرحمن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء**‘‘ (ابوداؤد وترمذی) لوگوں پر رحم کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ بہت بڑی رحمت نازل فرمائے گا تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا،،

قولی اور حکمی تعلیم وتلقین کے علاوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی امن وسلامتی کا

اعلیٰ معیار بلند پیمانہ اور بے نظیر اسوہ ہے، آپ نے ایک خدا کی طرف دعوت کے نتیجے میں مکہ میں تیرہ سال تک مسلسل مصائب کے طوفانوں کا سامنا کیا، جگرخراش مظالم جھیلے، دشمنان اسلام کی بربریت وسفاکیت کو برداشت کیا۔مگر کسی بھی مرحلے میں آپ نے جوابی کارروائی اور انتقام کا ارادہ نہیں کیا۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں بھی کفار مکہ کی غیر انسانی کارستانیاں جاری رہیں۔اور اب یہود ومنافقین کی سازشیں بھی ان کی ہمنوا ہوگئیں۔مگراس کے باوجود بھی آپ نے اقدامی کارروائی نہیں کی۔ہجرت کے کئی سال بعد چودہ سو اصحاب کے ساتھ آپ نے عمرہ کے لئے مکہ کا سفر کیا کفار نے آپ کو عبادت کی اجازت نہیں دی، حدیبیہ کے مقام پر کڑی شرطوں کے ساتھ انہوں نے صلح کی مگر آپ نے تمام شرطوں کو قبول کرتے ہوئے جنگ کا دروازہ سرے سے بند کردیا۔

دس ہجری میں آپ نے مجبور ہوکر مکہ کو فتح کیا مگراس طرح کہ ایک قطرہ خون زمین پر نہیں بہا اور خاموشی سے مکہ میں داخل ہوئے یہ وقت پچھلی تمام سفاکیت کے انتقام کا تھا مگر آپ نے شفقت ومحبت اور عفودرگذر کا اعلان کرکے امن وسلامتی کا وہ پیغام دیا کہ آسمان کی نگاہوں نے روئے زمین کے سینے انسانیت نوازی کا یہ جاں نواز منظر نہ اس سے قبل دیکھا تھا اور نہ قیامت تک دیکھ سکے گا۔

آپ نے اپنے جاں نواز کرداروں سے، بےلوث محبت کی سوغاتوں سے، رحمدلی وغمگساری میں ڈوبی ہوئی توجہات سے، اور شفقت وایثار کی خوشگوار بارشوں سے وحشیانہ ماحول میں ایک ایسے معاشرے کی تشکیل دی کہ اس کا ایک اک عضوامن وسلامتی کا پیامبر بن گیا، اور امن کا یہی پیغام لیکر اس چشمہ انسانیت سے نہریں رواں ہوئیں اور جہاں جہاں سے گذریں اس خطے کو شاداب کرتی چلی گئیں۔

یہ امن ہی کی طاقت تھی اسلام نصف صدی کے عرصے میں دنیا کے کونے کونے میں پہونچ گیا۔اس کی فتوحات اگر ہواؤں کی طرح تھیں تو اس کی روشنی بادلوں کی طرح پیاسی انسانیت کے قلوب پر برس کر انہیں زندگی عطا کرگئی۔ باطل ہمیشہ روشنی کے خلاف صف آرا ہوتا رہا ہے یہ عناد ومخالفت روز اول سے تھی اور قیامت تک رہے گی۔ پہلے بھی اسلامی چراغوں کو گل کرنے کی سعی نامسعود جاری تھی آج بھی پوری قوت سے مصروف عمل ہے۔اور مختلف پروپیگنڈوں کے ذریعے دنیا کو یہ باور کرایا جارہا ہے کہ اسلام جنگ کا مذہب ہے یہ تشدد سکھاتا ہے، انتہا پسندی کی تعلیم دیتا ہے۔ایک ایسا انسان جس کے دل میں ذراسی انصاف کی رمق ہو ان پروپیگنڈوں کو کبھی تسلیم نہیں کرسکتا۔

وطن پرستی جب حدوں کی انتہا پر ہوتی ہے، عصبیتوں کے عفریت جب طاقتور ہوجاتے ہیں،

مادیت جب خدا کی صورت اختیار کرلیتی ہے تو تاریکی اوراجالے برابر ہوجاتے ہیں،حق اور باطل کی تمیز اٹھ جاتی ہے، پھر محض خودغرضیوں کی حکمرانی ہوتی ہے،کذب وافتر کا راج ہوتا ہے،نفس کی حکومت ہوتی ہے،انا پرستی کا ماحول ہوتا ہے۔

اس وقت اسلام کو انہیں صورت حال کا سامنا ہے'۔ورنہ تاریخ شاہد ہے کہ فلسطین میں مسلمانوں نے قدم رکھا تو وحشیانہ ماحول میں امن کی ہوائیں چلنے لگیں،عیسائیوں کے جسم پر ایک خراش تک نہیں آئی اور وقت کا خلیفہ فاروق اعظم عام انسانوں کی طرح امن کے محافظ اورانسانیت کے مسیحا بن کر وہاں داخل ہوئے۔

لیکن جب عیسائیوں نے اس پر قبضہ کیا تو مسلمانوں کی لاشوں اوران کے خون سے وہاں سرزمین لالہ زار ہوگئی۔اسپین میں مسلمان فاتحانہ داخل ہوئے تو تمام باشندوں کو تحفظ فراہم ہوا اور اسی امن وانصاف اور رواداری سے آٹھ سو سال تک حکمرانی کی،یہیں سے یورپ کو علم کی روشنی ملی، ترقی ملی،تعلیمی درسگاہوں کا تصور ملا،لیکن جب وہ سازشوں کی بدولت اس ملک پر قابض ہوئے تو ظلم وتشدد کا وہ کھیل کھیلا کہ کروڑوں مسلمانوں کو بیک وقت آگ وخون کے حوالے کردیا،اسلام کے تمام نشانات کو مٹا ڈالے،مسجدوں کو کلیساؤں میں تبدیل کردیا۔اسپین میں عیسائی تشدد اور مذہبی تعصب کے زیرِ اثر ظلم وسفاکیت کی سیاہ تاریخ کی یہ وہ جھلک ہے'جس کی تفصیل سے دل کی دنیا لرز جاتی ہے۔لیکن وقت کی یہ کیسی روش ہیکہ آج وہی قوم اسلام اورمسلمانوں کو انتہا پسند امن مخالف اورخود کو امن کا علمبردار کہتی ہے جس نے محض شبہ کی بنیاد پر مختلف ممالک کی سلطنتوں کو زیروزبر کرڈالا،کروڑوں انسانوں سے زندگیاں چھین لیں،اور یہ سلسلہ اس عہد میں بھی پوری قوت سے جاری ہے کہ امن کی آڑ میں آبادیوں کی آبادیاں لمحوں میں ختم کردی جاتی ہیں ملک تباہ کردیئے جاتے ہیں۔اور پھران مظالم اور دہرے وسفاکیت اعمال کے نتیجے میں امن وسلامتی کی تلاش میں کانفرنسوں کے کاغذی و بے روح اوررسمی سلسلے شروع کئے جاتے ہیں۔

حاصل یہ کہ دنیا میں امن و عافیت،چین وسکون،کا ماحول اسلامی تعلیمات کے بغیر صحرا سراب کی طرف بھاگنے والے عمل سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔یہ کرنیں اسلام کے آفتاب سے ہی نکلی ہیں اوراسی کے دامن سے وابستہ ہوکر حاصل ہوسکتی ہیں،جب تک دنیا اس آفاقی اصول سے بے گانہ رہے گی کرہ ارض پر امن وسلامتی کا سورج طلوع نہیں ہوسکتا۔

اسلامی حکمرانوں سے مسلمانوں کی بے جا شکایت

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

دوربین کے شیشے کا عدسہ کسی فضائی سیارے کے خصوصیات کو ہم پر جب واشگاف کر چکا ہے، تو اسی سیارہ کو دوربین سے ہٹ کر دیکھنے کی سعی، سعی لا حاصل ہی نہیں، بلکہ سعی مضل ہی ہوسکتی ہے، نبوت کہئے یا رسالت، وحی نام رکھئے یا پیغمبری حاصل سب کا یہی ہے کہ

زمغربی (۱) نظرے دام کن بدوست نگر

کہ تا بدیدۂ کامل کمال او بینی

خلاصہ یہ ہے کہ تاریکی صرف ان کے لئے ہے، جنہوں نے روشنی کے مشاہدہ اور یافت کی فطری قوت سے رشتہ توڑ لیا ہو؛ لیکن ٹٹول ٹٹول کر چلنے کی اس شخص کو کیا ضرورت ہے، جو آنکھیں رکھتا ہے۔

ہم جن کی جان و مال، عزت و آبرو کے احترام کی ذمہ داری زندگی ہی کی حد تک نہیں؛ بلکہ مرنے کے بعد لاش کی ہڈیوں تک کے متعلق قبول کرتے ہیں، جن کو اسلامی قلمرو میں اس معاہدہ کے ساتھ سکونت پذیر ہونے پر راضی ہوتے ہیں کہ مجبوری و معذوری کی صورت میں حکومت کا خزانہ ''بیت المال'' ان کی ضروریات زندگی کو اسی طرح مہیا کرے گا، جیسے اپنے قلمرو کی ہر مسلم رعیت کا کفیل بن کر بیمہ وغیرہ جیسے قماری معاملات کے سوچنے سے وہ مستغنی کر دیتا ہے۔

اسلامی حکومت کے ان امن پسند شہریوں کے ساتھ معاہدے کرنے میں ذہنی محفوظات کی گنجائش اسلام میں کیا ہوسکتی ہے، جب معاہدے کی وہ خطرناک قسم جس کے آگے پیچھے فریقین کو اوہام

(۱) مغربی شاعر کا تخلص ہے فرماتے ہیں کہ دوست کو دیکھنا چاہتے ہو تو مغربی سے نگاہ قرض لے لو؛ کیوں کہ دوست کے کمالات کا مشاہدہ کامل ہی کی نگاہ سے تم کر سکتے ہو،

اورخطرات کے بادل منڈلاتے نظر آتے ہیں،یعنی جنگ کرنے والے دشمنوں کے متعلق

و ان جنحوا للسلم فاجنح لها (الانفال) اگر دشمن صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی صلح کی طرف جھک جاؤ۔

کا مشورہ دیتے ہوئے ان سارے سوراخوں کو بند کرنے کیلئے جن کی راہ سے قدرۃ خطرات کے گھس پڑنے کا احساس قلوب میں پیدا ہوتا ہے، ان ہی سوراخوں کو بند کرنے کے لئے قرآن میں حکم دیا گیا ہے کہ

وتوکل علی الله ان الله سمیع بصیر خدا پر اعتماد رکھو، بلاشبہ وہ سننے والا جاننے والا ہے،

صرف اسی حکم کو دے کر خطرات کے سارے سوراخوں کو بند ہی نہیں کر دیا گیا ہے؛ بلکہ دشمنوں کے ساتھ اس نوعیت کے معاہدوں میں فریب اور دھوکے کے خطرناک نتائج کا تجربہ کبھی کبھی جو ہوتا رہتا ہے، معاہدے کے اسی سبب سے بڑے خطرے کا ذکر ان الفاظ میں فرمانے کے بعد یعنی

فان ارادوا ان یخدعوک صلح کے معاہدے کی شکل میں اگر دشمن دھوکا دینا چاہتے ہوں، تو بجائے ''ذہنی محفوظات'' کے جس نے اپنے معاہدے کی بنیاد ''وتوکل علی اللہ'' کی مخفی چٹان پر قائم کی ہے، اس کو

فان حسبی الله تو (ایسی صورت میں) اللہ میرے لئے کافی ہے،

کا قرآنی وثیقہ عطا کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہی ہوا کہ دھوکہ اور فریب خواہ جتنا بھی خطرناک ہو، معاہدے کے ذریعہ دشمن اگر دینا چاہیں گے تو خدا نے مسلمانوں سے وعدہ کیا ہے کہ ان کے ہر فریب اور چال کو بے کار کر کے رکھ دیا جائے گا اور خدا کی غیبی نصرتیں ان کو خطرے سے نکال لیا کریں گی۔

ان لوگوں سے تو بحث ہی نہیں ہے، جنھوں نے قرآن کو خدائے قادر وتوانا کی کتاب ہی نہیں تسلیم کیا ہے یا تسلیم کرنے کے بعد جو شک میں مبتلا ہیں یا العیاذ باللہ مرتد ہو چکے ہیں؛ بلکہ میری گفتگو سلف کے ان مسلمانوں تک محدود ہے، جنھوں نے یہ مان لیا تھا کہ **فان حسبی الله** (تو قطعاً اللہ میرے لئے کافی ہے) کے یہ الفاظ خدائی الفاظ اور آسمانی وثیقہ کی حیثیت رکھتے ہیں، یہ ذمہ داری اس نے لی ہے، جس سے ظاہر و باطن اندر باہر کا کوئی حال مخفی نہیں ہے اور جس کا زور اور زور والے کے زور کو قطعی طور پر ہر حال میں ختم کر دینے کے لئے کافی ہے، ذرا سوچئے تو سہی کہ اس ایمان، ایقان اور لاہوتی سکینت واطمینان کے بعد کیا اس کا امکان رہ جاتا ہے کہ معاہدے میں جو کچھ کہا گیا ہے،

اس کے سوابھی کچھ سوچا جائے۔

خود پیغمبرﷺ بھی سکھاتے ہی تھے اوراسی کو کر کے دکھاتے بھی تھے،حدیبیہ کی صلح کے موقع پر کون نہیں جانتا کہ معاہدہ باضابطہ تحریری قالب میں ابھی آیا بھی نہیں تھا،صرف زبانی گفتگو میں منجملہ دوسری باتوں کے یہ بھی مان لیا گیا تھا کہ قریش کا جو آدمی مسلمانوں میں آ کر شریک ہوگا اسے واپس کر دیا جائے گا، بات ابھی ہو رہی تھی کہ ابو جندلؓ زنجیریں گھسیٹتے ہوئے اسلام اوراسلام کی دہائی دیتے ہوئے سامنے نمودار ہوتے ہیں، پیغمبر اور پیغمبر کے ساتھیوں کو خطاب کرتے ہوئے کہ مسلمان ہونے کے جرم میں قریش نے زنجیروں میں مجھے جکڑ رکھا تھا، میں آپ لوگوں کی امداد کے بھروسے پر کسی نہ کسی طرح یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا ہوں، قریش کا وکیل آنحضرتﷺ سے کہتا ہے کہ لکھا نہ گیا ہو؛لیکن زبانی مان لیا گیا ہے، اس لئے ابو جندلؓ کو واپس کیجئے، آنحضرتﷺ نے جیسا کہ مشہور ہے، سب ہی جانتے ہیں، بالمؤمنین رؤف رحیم ہوتے ہوئے قریش کے وکیل سے فرمایا،

صدقت تم سچ کہتے ہو،

حالانکہ ابوجندلؓ چیختے رہے چلاتے رہے، کہتے رہے مسلمانو! کیا مجھے دین کے ان دشمنوں کے حوالے کر دیا جائے گا؛لیکن باوجود اس کے تاریخ نے اس واقعہ کو اب تک محفوظ رکھا ہے، ابوجندلؓ سے تسلی کے الفاظ فرماتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم ان لوگوں سے عہد کر چکے ہیں،

لا نغدر بھم (ابن ہشام ج ۲/ص/۲۳۱) ہم ان کے ساتھ عہد شکنی نہیں کر سکتے

اور کیا امت مسلمہ اپنے پیغمبرﷺ کے ان اٹھے ہوئے ہاتھوں کو بھول سکتی ہے، جو خدا کے سامنے اٹھے ہوئے تھے اور قبیلہ بنی خزیمہ کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہو کر ان کے چند مسلح اور ہتھیار بند سپاہیوں کو خالد بن ولیدؓ نے قتل کرا دیا تھا، قتل کے اسی غلط فہمی اور غیر قانونی حادثہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے رسول اللہﷺ فرما رہے تھے،

''اے اللہ! خالدؓ نے جو کچھ کیا ہے تیرے سامنے اس سے اپنی برأت پیش کرتا ہوں''

بار بار اسی کو دہراتے جاتے تھے اور اسی پر بس نہ فرمایا گیا؛ بلکہ عرب جو اس قسم کے قتل وقتال کے عموماً عادی تھے، ان کو دیکھ کر حیرت ہوگئی کہ حضرت علیؓ اونٹوں پر سامان لادے ہوئے، اسی بنی خزیمہ کے قبیلہ میں آنحضرتﷺ کے حکم سے پہنچتے ہیں اور مال و جان کا جو نقصان حضرت خالدؓ کی غلط فہمی کی وجہ سے پہنچ گیا تھا، اس نقصان کی تلافی کے لئے آپ نے یہ اعلان عام فرمایا کہ ہر ایک

اپنادعویٰ پیش کرے،جس نے جودعویٰ پیش کیااورحساب سے جس ہر جانے کا جو مستحق تھا،حضرت علی ؓ نے ہرایک کوادافرمایا،

حتی مبلغة کلب (الزرقانی وغیرہ)حتی کی کتے کےکھانے پینے کی ہنڈیا کا تاوان تک،

آخر میں یہ پوچھنے کے بعد کہ تم لوگوں کی تشفی ہوگئی،جواب میں سب نے جب رضامندی کا اظہار کیا تو حضرت علیؓ نے ایک قسط زائد پیش کی اور کہا کہ یہ اس نقصان کا معاوضہ ہے، جو معلوم نہ ہو سکا، جو کہا جائے گا وہی کیا بھی جائے گا،اس کی ان ہی عملی نظیروں کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے، پھر مسلمانوں پر جب تک دین کا اثر غالب رہا،تاریخ بتاتی ہے کہ معاہدات کی تکمیل میں غیر مسلموں کے ساتھ انہوں نے ہمیشہ وہی کیا،جس کا وعدہ کیا جاتا تھا۔

ایک اندھا میلے کچیلے کپڑوں میں بوڑھا یہودی فقیر ہے،اس کے بازو کو پکڑے ہوئے اپنے عہد کے سارے حکمرانوں میں سب سے بڑے حکمراں عمر فاروقؓ لئے چلے آرہے ہیں، بیت المال کے ناظم کے پاس کھڑے ہوئے ہیں اوراسی یہودی نابینا بوڑھے فقیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں،

''ہم نے ہرگز انصاف نہیں کیا؛اگر جوانی میں ان لوگوں کی کمائی کھاتے رہےاور بڑھاپے میں ہم ان کو چھوڑ دیں''

آخر میں ناظم بیت المال کو خلافت کی طرف سے یہ فرمان دیا گیا کہ

انظر ھذا و ضرباہ (کتاب الخراج ص/۱۱٦)اس اندھے یہودی فقیراوراس جیسے جو بھی ہوں سب کی خبر گیری کرتے رہو۔

یہی تو غور کرنے کا مقام ہے،اسلامی قلمرو کے غیر مسلم طبقات کے معذوروں اور بوڑھوں تک کی پرورش جب اسلامی بیت المال کے ذمہ واجب ہے،تو کیا اسی اسلام اوراسلام کے ماننے والے سے یہ توقع کسی حیثیت سے بھی قابل تصور ہوسکتی ہے کہ اسلامی حکومتیں اپنے غیر مسلم باشندوں کے صفایا کے مسئلہ کو سوچ بھی سکتی تھیں؟

جاری

☆----☆----☆

بے مثال انسان، بے نظیر حکمراں

محمد فہیم قاسمی گورکھ پوری
معاون مدیر۔ ماہنامہ المناظر

اسلامی سال کا سب سے پہلا مہینہ محرم الحرام ہے، جو اپنے اندر کئی دلدوز اور دلخراش داستاں پوشیدہ نہیں بلکہ ظاہر وعیاں رکھتا ہے، جس کی وجہ سے نہایت اہمیت کا حامل بھی ہے عامۃ الناس سب سے زیادہ جس واقعے کی وجہ سے اس مہینہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ اس مہینہ میں نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا میدان کربلا میں شہید ہونا ہے۔ اس مہینہ میں یہ ایسی دل کو چاک اور آنکھوں کو خون رلانے والی داستاں ہے، کہ جب بھی یہ مہینہ آتا ہے تو خود نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ان کے اہل وعیال اور ساتھیوں کا بے گور وکفن، پاکیزہ جسم، خیالات کے دبیز پردوں سے نکل کر ظاہری جوڑا پہن لیتے ہیں۔ اس واقعہ نے قیامت تک کے لئے انسانیت کا سر جھکا دیا۔ بلانے والے اپنے، اکسانے والے اپنے، فوج لے کر سامنا کرنے والے اپنے، سر کاٹ کر نمائش کرنے والے اپنے، ہم اس جاں گسل حادثہ میں منافقین کی سازشوں کا بہانا بھی تو نہیں کر سکتے۔

اس کے علاوہ اسی مہینہ میں عالم اسلام کی ایک معزز ہستی کو بھی اس کے ساتھیوں کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ جو ہستی پیدا ہوئی تو مکہ میں شور مچ گیا، پوچھنے والے نے پوچھا کیسا شور ہے؟ اسے بتایا گیا کہ خطاب کے گھر بیٹا پیدا ہوا ہے، یہ اسی کی خوشی کا شور ہے۔ جس نے جاہلیت کے تاریک عہد میں سانس لی، اور ان ہی کے درمیان پلا بڑھا اور پروان چڑھا، جب جوان ہوا تو بازار عکاظ میں پہلوانی کرنے لگا، یہ وہی بازار عکاظ ہے جس میں اپنے فن کے ماہرین کے علاوہ کوئی دوسرا شامل نہ ہو سکتا تھا، اسی بازار کے پروردہ نابغہ زیبانی، حسان بن ثابت، قیس بن ساعدہ بھی ہیں، جن کو فن خطابت اور شاعری میں عربوں کے درمیان ثقاہت کا درجہ حاصل ہے۔ جہالت کے اس دور میں چند پڑھے لکھے لوگوں میں اس نوجوان کا نام بھی شامل ہے، اور اپنے ملک کا سفیر بھی ہے۔

جب اسلام کی بازگشت اس کے کانوں تک پہنچی تو کفار مکہ کی طرح اسے بھی جوش آیا مگر اس کے باوجود انسانی شرافت، غیرت وحمیت، خیر وفلاح کا عنصر اس میں موجود تھا۔ لیلی بن حنتمہ کہتی ہیں، کہ

جب ہم نے کفار کے ظلم وجور سے عاجز آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کرلیا تو انہوں نے پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا تم لوگوں کے ظلم وجور نے ہی تو مجبور کیا ہے،فرمایا کہ **صبحکم الله** اللہ تمہارا حامی وناصر ہو۔حالانکہ یہی شخص اپنی باندی کو جو ایمان لا چکی تھی مارتے مارتے تھک جاتا تھا۔

جب اسلام کی یہ آواز روز بروز بڑھنے لگی اور یہ اجنبی آواز لوگوں کے درمیان جانی پہچانی جانے لگی،اوراس صدائے بازگشت سے لوگ مانوس ہونے لگے،تو حضرت عمرؓ غصہ سے آواز لگانے والے ہی کے قتل کے درپہ ہو جاتے ہیں،اوراس آواز کو ہمیشہ کے لئے خاموش کرنے کے ارادے سے نکل پڑتے ہیں،راستہ میں معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے بہن اور بہنوئی بھی اسی آواز کے شیدائی اورآواز لگانے والے کے ہم نوا ہو چکے ہیں۔اس خبر سے ان کا غصہ دو بالا ہو جاتا ہے اوراسی غصہ میں بہن او ربہنوئی کے گھر پہنچتے ہیں اوران کو زدوکوب کرنے لگتے ہیں،لیکن جب بہن کے جسم سے نکلنے والے خون کی طرف نظر پڑتی ہے تو نفرت کی ضد رحمت امڈ آتی ہے،اور پوچھتے ہیں جو تم پڑھ رہے تھے وہ مجھے بھی دکھاؤ،دکھایا گیا،یہ اسی کتاب ہدایت کی چند آیات تھیں،لرزتے ہاتھوں سے کتاب کھولی گئی اورنگاہ **سبح لله مافی السموات والارض وهو العزيز الحكيم** پرپھری تو ایمان کی باد بہاری کے سردومست جھونکوں نے دل کی شمع کا فوری کواور تیز کردیا گویا کہ انہیں کو مخاطب بنا کر کہا جارہا ہے **آمنوا بالله و رسوله** کہ اللہ اوراس کے رسول پر ایمان لاؤ۔جب زمین وآسمان میں جو کچھ ہے وہ تمام اس غالب اورحکمت والے کی تسبیح وتقدیس بیان کرتی ہیں،تو تجھے کس چیز نے اس سے روک رکھا ہے،اور پھر پکار اٹھتے ہیں **اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا رسول الله**

اس عظیم انسان کو کیا معلوم **اللهم اعز الاسلام باحد الرجلين اما ابن هشام او عمر بن خطاب** یہ دعائے نبوی ان کے حق میں قبول ہو چکی ہے۔پھر اللہ کے رسول کی مجلس میں پہنچتے ہیں،اوران کے ایمان کی خبر سن کر تکبیر کی صدا مکہ کی گلیوں اور پہاڑوں میں گونج اٹھتی ہے۔پھر یہ کہا جانے لگتا ہے کہ ہم کفار کی وجہ سے گھروں میں چھپ کر عبادت کیا کرتے تھے،لیکن اس شخص کے ایمان لانے کے بعد ہم نے بیت اللہ میں عبادتیں شروع کر دیں،جس نے حق اور باطل کو واضح کرکے فاروق کا لقب اختیار کرلیا ہے۔

جس نے ہجرت فرمائی تو اس شان سے کہ مکہ سے باہر نکل کر فرمایا تم میں سے کون ہے جو اپنی بیوی کو بیوہ اوراپنے بچوں کو یتیم کرنے کا خواہش مند ہے،آئے اور مجھے روکے،مکہ کے شیر دل بہادر

آگے بڑھ کر اسے روک نہ سکے۔

جو روز بروز اسلام کو تقویت پہنچانے میں مصروف ہو گیا ہو، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میدان جنگ میں شانہ بشانہ کھڑا رہا ہو۔ جس کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ کو قرآن مقدس نے اپنے اندر ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیا ہو، جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر اپنا ہوش کھو دیا ہو، اور یہ یاد ہی نہ رہا ہو کہ جو آیا ہے اسے خالق سے پھر ملاقات بھی کرنی ہے، جس نے سقیفہ بنی ساعدہ میں ابھرنے والے فتنہ کو اپنی ایمانی فراست، دانائی، عقلمندی اور ہوشیاری سے اس طرح فرو کر کے انہیں اپنا ہمنوا بنا لیا ہو کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات ہی میں اپنے مصلی پر امامت کے لئے آگے بڑھا دیا تھا، تو جسے حضور نے اپنا قائم مقام اور اپنے دین کا امام بنا دیا ہو ہم میں کون ہے جو اس کی دنیاوی امامت پر اعتراض و اعراض کرے؟ جسے خلیفہ اول نے اپنی زندگی کے ایام پورے ہونے پر یہ کہہ کر خلیفہ بنایا ہو کہ اے اللہ تیری زمین پر بسنے والے تیرے بندوں پر میں نے اس شخص کو ذمہ دار مقرر کیا ہے جو ان میں سب زیادہ اچھا تھا۔

جس نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالی تو رعایا کی خدمت، ان کے آرام و راحت کی فکر نے راتوں کی نیند چھین کر گلیوں گلیوں گشت کرنے پر مجبور کر دیا ہو، اور اس نے عمدہ مشروب اور کھانے سے ہاتھ روک لیا ہو کہ کیا معلوم اتنی وسیع سلطنت میں کوئی جاندار بھوکا ہو، اس خیال ہی سے قیامت کے دن کی ہولناکی اور خدائی باز پرس سے کپکپی طاری ہو جاتی ہو۔ جس نے اپنے عدل و انصاف سے اپنے ممالک محروسہ کو آفتاب سے زیادہ روشن اور چمکدار بنا دیا ہو۔ ایک واقعہ پڑھیئے اور سر دھنئے۔

اسلامی حکومت کی جانب سے تجارتی محصول وصول کرنے کے لئے سرحدی علاقوں پر انتظام ہوا، تو فرات کے آبی راستے پر بھی چوکی قائم ہوئی، اس طرح کہ دریا میں ایک رسہ پھینک دیا جاتا تھا اور کشتی آ کر اس سے اٹک جاتی تھی اور محصول وصول کرنے والے اندازہ کے موافق محصول وصول کر لیتے تھے، ایک عیسائی تاجر اسی زمانہ میں اپنا مال لے کر اسی فرات کے آبی راستے سے گزر رہا تھا، محصول کے لئے زیاد ابن حدیرؓ مقرر تھے، انھوں نے محصول وصول کر لیا، اور اسے جانے دیا، چند دن کے بعد جب وہ تجارت سے واپس ہوا، تو پھر اس کی کشتی روک لی گئی، اور اس سے محصول کا مطالبہ کیا جانے لگا، جس پر وہ کہتا رہا کہ میں نے محصول ایک بار ادا کر دیا ہے اب مجھ ہی سے دوبارہ محصول کیوں اور کیسے وصول کرو گے، اس عیسائی سوداگر اور زیادؓ کے درمیان بات بڑھ گئی، تاجر نے سامان

اپنے آدمیوں کے سپرد کیا، اور زیادؓ سے کہا کہ میں خود امیر المومنینؓ کے پاس جاتا ہوں اور وہ تاجر مکہ (اس وقت حضرت عمرؓ مکہ ہی میں تشریف فرما تھے) میں امیر المومنین کی خدمت میں یہ کہتے ہوئے حاضر ہوا کہ میں ایک عیسائی تاجر ہوں اور پورا واقعہ کہہ سنایا، امیر المومنین اس کے جواب میں ''کفیت'' کہہ کر خاموش، اور دوسرے کاموں میں مصروف ہوجاتے ہیں، عیسائی تاجر اس ایک لفظ سے مطمئن نہ ہوا۔ اور خود اسی کا بیان ہے کہ میں مکہ سے مایوس یہ ارادہ کر کے لوٹ رہا تھا کہ زیادؓ کے مطالبہ کو قبول کرلوں گا، اور محصول ادا کر کے مال چھڑالوں گا، لیکن جب میں فرات کی اس چوکی پر پہنچا تو اس خبر سے میں حیرت میں پڑ گیا کہ **کتاب عمر قد سبق الیہ** کہ زیاد ابن حدیرؓ کے پاس اس کے پہنچنے سے پہلے ہی فرمان آچکا ہے۔ اس فرمان میں لکھا گیا تھا کہ جب تم نے ایک مرتبہ محصول وصول کرلیا ہے تو اب دوبارہ محصول لینے کا تمہیں کوئی حق نہیں ہے۔ عیسائی سوداگر کا بیان ہے کہ اس خبر نے مجھے بے چین کردیا اور اسی وقت اس نے زیادؓ کو مخاطب کر کے اعلان کیا **انی اشھد اللہ انی بری من النصرانیة وانی علی دین الرجل الذی کتب الیک ھذا الکتاب** ۔ میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں عیسائی مذہب سے کنارہ کش ہوتا ہوں اور اب اس شخص کے دین پر ہوں جس نے تمہارے نام سے یہ خط لکھا ہے۔ یہ اس عظیم حکمراں اور وسیع رقبہ پر حکمرانی کرنے والے خلیفہ کی طاقت تھی جس نے دور بیٹھ کر ایک عیسائی کو نقصان سے بچالیا اور اس کا نتیجہ جو ہونا چاہئے تھا وہ ظاہر ہوا۔ (نقوش گیلانی ص۸۳)

یہی خلیفہ ہے، جس نے بادلوں کو دیکھ کر اس سے اگنے والی فصل پر اپنا استحقاق نہیں جتایا لیکن ساڑھے بائس لاکھ مربع میل پر اگنے والی فصل اس کے بیت المال میں پہنچتی رہیں، جس نے **انا ولا غیری** کی صدا نہیں لگائی؛ لیکن اس کے رعب اور دبدبے سے سینکڑوں میل دور قیصر وکسری کو اپنی زمین ہلتی ہوئی محسوس ہوتی، اس کے انگلی کی ایک حرکت نے بہادر سپاہیوں کے اندر ہی نہیں بلکہ دریائے نیل میں حرکت پیدا کردی۔ یہی خلیفہ جب غلام کو سوار اور اس کی سواری کی نکیل پکڑے اور پیوند زدہ کپڑے زیب تن کئے ہوئے بیت المقدس پہنچتا ہے، اور کنیسۃ القمامہ میں نماز کا وقت ہوجاتا ہے، تو بطریق یعنی گرجے کے پادری سے کہتا ہے کہ نماز پڑھنے کے لئے کوئی جگہ بتاؤ، گرجے میں کسی طرف اس نے اشارہ کر کے کہا کہ آپ یہاں نماز پڑھ سکتے ہیں، تو اس کی دوررس نگاہ نے اس سجدہ سے پیش آنے والے خدشات کو بھانپ لیا اور فرمایا کہ اگر آج میں نے یہاں نماز پڑھ لی تو کل خطرہ

ہے کہ مسلمان اسی کو دلیل بنا کر کہ یہاں میرے خلیفہ نے نماز پڑھی تھی تمہارے گرجے پر دعوی نہ کر بیٹھیں، یہ کہہ کر گرجے سے باہر آ کر اس نے نماز پڑھ لی۔نقوش گیلانی

جو ایک بوڑھے فقیر یہودی کا ہاتھ پکڑ کر ناظم بیت المال کے پاس آتا ہو اور یہ کہتا ہو کہ یہ سراسر ظلم اور زیادتی ہے کہ جوانی میں ہم ان کی کمائی ہوئی دولت سے فائدہ اٹھائیں اور بڑھاپے میں ہم انہیں سوالی اور مجبور بنا کر چھوڑ دیں ، اور اسی کے ساتھ اس جیسے تمام بوڑھوں کے وظیفے جاری کرنے کا حکم کرتا ہو۔ (نقوش گیلانی)

علامہ شبلی نعمانی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''الفاروق'' (ص/۱۵۳) میں کچھ دلچسپ واقعات بھی تحریر فرمائی ہیں۔مولانا لکھتے ہیں۔

ایک دفعہ ایک بدوان کے پاس آیا اور یہ اشعار پڑھے:

یا عمر الخیر خیر الجنۃ اکس بنیاتی وامھنۃ

اقسم باللہ لتفعلناہ تکون عن حالی لتسئلنہ

اے عمر! لطف اگر ہے تو جنت کا ہے، میری لڑکیوں کو اور ان کی ماں کو کپڑے پہنا۔خدا کی قسم تجھ کو یہ کرنا ہوگا۔تجھ سے قیامت میں میری نسبت سوال ہوگا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں اگر تمہارا کہنا نہ مانوں تو کیا ہوگا، بدو نے کہا:

والواقف المسئول بیھتنہ اما الی نار و اما جنۃ

اور تو ہکا بکا رہ جائے گا پھر یا دوزخ کی طرف یا بہشت کی طرف جاتا ہوگا۔

حضرت عمرؓ اس قدر روئے کہ داڑھی تر ہوگئی، پھر غلام سے کہا کہ میرا یہ کرتا اس کو دے دے، اس وقت اس کے سوا کوئی چیز میرے پاس نہیں۔

ایک رات کو گشت کر رہے تھے، ایک عورت بالا خانے پر بیٹھی یہ اشعار گا رہی تھی:

تطاول ھذا للیل و ازور جانبہ و لیس الی جنبی خلیل الاعبہ

رات کالی ہے اور لمبی ہوتی جاتی ہے اور پہلو میں یار نہیں، جس سے خوش فعلی کروں۔

اس عورت کا شوہر جہاد پر گیا تھا اور وہ اس کے فراق میں یہ درد انگیز اشعار پڑھ رہی تھی، حضرت عمر کو سخت قلق ہوا اور کہا کہ میں نے زنان عرب پر بہت ظلم کیا، بقیہ ص/۷ پر

قسط ۲/

مولانا گیلانی کی بے نفسی

شیخ غلام محمد صاحبؒ

چنانچہ مرض الموت ہی میں جس کا سلسلہ برسوں تک کھینچ گیا تھا ایک مرتبہ احقر کو تحریر فرمایا۔

''علالت کی مختلف منزلوں سے گزرتا ہوا اب ایک خاص نقطہ پر پہنچ کر ٹھہر گیا ہوں۔ نہ بیمار نہ تندرست چاہئے تو یہی تھا کہ اپنے پیشرووں (اشارہ ہے سیدی حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کی طرف) کے ساتھ اب تک شریک ہوجاتا۔ لیکن بقول اکبر

کمزوری ہی مری صحت تھی کمزوری ہی مری بیماری
اچھا جو رہا کچھ کر نہ سکا، بیمار ہوا تو مر نہ سکا!

لا یموت ولا یحیٰ شاید اسی مقام کا نام ہے''

فقرہ کا یہ آخری جملہ تیر بن کر میرے قلب کو لگا کہ یا اللہ اگر بڑے بڑوں کا یہ حال ہے تو اپنی مغفرت کی امید ہی کیا رکھی جائے؛ مگر پھر معاً ذہن اس طرف گیا کہ نہیں اس آیت کا مصداق کفار اور صرف کفار ہیں، ادنی مومن پر بھی اس کا اطلاق غلط ہے مولانا غلبہ میں حال تحریر فرما گئے ہیں، اس تائید غیبی سے مایوسی کے بادل چھٹ گئے۔ فوراً جوابی عریضہ اپنے مخدوم کی خدمت میں لکھا اور اس میں اپنے حال وخیال کا بلا کم وکاست اظہار کردیا، مولانا رحمۃ اللہ کا جو جواب آیا ملاحظہ ہو:۔

''اپنی علالت کا تذکرہ کرتے ہوئے واقعتاً قلم پر ''لا یموت ولا یحیٰ'' کی آیت کے استعمال میں غلطی ہوگئی تھی، آپ نے اس غلطی پر تنبیہ فرمائی، ایمان تازہ ہوگیا جزاکم اللہ عنا خیر الجزاء'' کیسا رجوع اور کس تواضع کا اظہار!

یہ بھی مولانا کی بے نفسی کا ایک نمایاں رخ تھا کہ معاصرانہ چشمک کا کوئی داغ ان کی سیرت میں نہیں ملتا، انھوں نے اپنے معاصرین کے حق توصیف میں کبھی کوتاہی نہیں کی اور اس سلسلہ میں عالم وغیر عالم اور دوست وغیر دوست کے فرق کو بھی کبھی معیار نظر نہیں بنایا۔ مرحوم قائداعظم کو جو مولانا نے برملا داد دی تھی۔ اس کا لطیفہ سننے کے قابل ہے۔ طلبائے نظام کالج کی طرف سے قائداعظم کے

اعزاز میں ایک عصرانہ ترتیب دیا گیا تھا عصرانہ کے بعد اور تقریروں کے ساتھ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی بھی تقریر ہوئی، مولانا نے جناح صاحب کو خطاب کر کے فرمایا کہ ''اس وقت آپ پوری ملت اسلامیہ کے وکیل ہیں اور ملت کو آپ کی وکالت پر پورا اعتماد ہے'' بے چارے جناح صاحب مولانا کا مفہوم نہ سمجھ سکے اور اپنی جوابی تقریر میں پورے زور سے کہا کہ ''میں وکیل نہیں ہوں'' میرے سامنے ایک نصب العین ہے، جس کی خاطر لڑ رہا ہوں''۔ جناح صاحب کی غلط فہمی سے مولانا پریشان ہو رہے تھے۔ اور ذرا مہلت ملتی تو یہ غلط فہمی رفع کر دی جاتی مگر جیسے ہی ان کی تقریر ختم ہوئی مولانا خود آگے بڑھ کر ان سے لپٹ گئے اور روتے ہوئے فرمایا کہ آپ کو غلط فہمی ہوئی اور آپ کے دل کو ٹھیس لگی میرا منشاء تو یہ نہ تھا۔ ایک مسٹر کے دل کی یہ رعایت و پاسداری اور بلا کسی قصور کے!

مولانا محمد علی جوہر سے مولانا گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو ملنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا، مگر جوہر کے جوہر کس پر کھلے ہوئے نہ تھے، مولانا ان کے نادیدہ مداح تھے۔ جوہر کی وفات پر مولانا نے چند اشعار میں جو خراج محبت ادا کیا ہے وہ انہی کا حصہ تھا۔ جس وقت یہ اشعار تعزیتی جلسہ میں پڑھے گئے ہیں تو سارا مجمع ماتم گسار بن گیا تھا۔ دو چار شعر جو اس وقت یاد ہیں سنتے چلئے:۔

بہ دین مصطفیٰ دیوانہ بودی	فدائے ملت جاناں نہ بودی
بہ دل بودی فقیر بے نوائے	بہ قالب پیکر شاہانہ بودی
چہ دانستی کجا سوزم نہ سوزم	تو شمع دیں را پروانہ بودی
سیاست تہمتے بر عشق پاکت	ز آئین خرد بیگانہ بودی
چہ آمد بر سر رنداں کہ آں را	خم و خمخانہ و پیمانہ بودی

اس سے بہتر داد و خراج جوہر مرحوم کا کوئی دوست بھی کیا دے سکتا تھا، مجھے اپنے محسن مولانا عبدالماجد دریابادی مدظلہ سے نیاز مندانہ تعلق تو زمانہ طالب علمی کا ہے؛ مگر ملاقات کی تمنا گذشتہ سال کراچی ہی میں پوری ہو سکی۔ اور جب ملاقات سے مسرور ہوا تو اس کی خبر حضرت گیلانی کی خدمت میں بھی کر دی، جواب میں مولانا کو جو دل کھول کر داد دی گئی ہے وہ ایک بے نفس معاصر ہی کی زبان سے نکل سکتی ہے۔ ارشاد ہے:۔

''مولانا دریابادی سے ملاقات کی خبر سے خوشی ہوئی اپنے وقت کے وہ خاص آدمی ہیں، ''تفرنج'' کے مقابلہ میں تقریباً نصف صدی سے سرگرم غزا ہیں، **متعنا اللہ المسلمین بقول بقائلہ**''

یہ داد و تحسین کسی نجی مکتوب ہی میں نہیں بلکہ اعلانیہ بھی دیتے رہے۔تفسیر ماجدی کے خلاف جوخواہ مخواہ بعض علماء نے محاذ بنایا تھا اوراس میں خود حضرت گیلانی کے ہم مکتب علماء بھی شامل تھے عین اسی اختلاف کے وقت مولانا نے جس بات کو حق سمجھا بلا تکلف و تامل اس کا اظہار فرما دیا (۱)اور ادارتی عصبیت سے ہمیشہ بلند و بالا رہے!

سیدی حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ مولانا گیلانی سے عمر میں صرف پانچ برس بڑے تھے اور مولانا کے بے تکلف دوست لیکن مولانا نے ہمیشہ اپنے بڑوں کی طرح ان کا احترام ملحوظ رکھا،ان کی تصانیف کی خوب خوب داد دی؛ بلکہ ان سے استفادہ کا اعتراف تک برملا کرتے رہے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ”سیرۃ النبی تو ایک انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ہے“ یہ بھی بار ہا فرماتے کہ ” لکھنے کو تو ہم نے بھی ”النبی الخاتم“ لکھ دی،مگر خطبات مدراس کی جامعیت کہاں“

اس علمی جہت سے ہٹ کر وہ حضرت علامہ کی باطنی منزلت کے بھی معترف تھے،اوراس کا اظہار برابر فرماتے رہتے تھے۔

باقی آئندہ

☆------☆------☆

(۱)علامہ مناظر احسن گیلانیؒ نے تفسیر ماجدی کے مطالعہ کے بعد مولانا دریابادی کو یہ مکتوب تحریر فرمایا تھا۔

”تفسیر ماجدی کی دوسری قسط روح افزا اور دیدہ افروز ہوئی۔مطالعہ میں مشغول ہو گیا،کیوں کہ کافی اہم سورتوں سے اس کا تعلق تھا،تفسیر ماجدی تو میرے نزدیک موجودہ صدی میں قرآن کی ایسی خدمت ہے،جس کی قدر و قیمت کا اندازہ اس وقت ہمارے مولویوں کو ہو یا نہ ہو لیکن زمانہ جیسے جیسے آگے کی طرف بڑھتا جائے گا،اس قسم کی تفسیریں مسلمانوں میں جگہ حاصل کرتی جائیں گی۔اقاصیص و روایت والی کتابوں کا زمانہ ختم ہو گیا،ہمارے علماء انہی کے عادی ہیں۔ان کو اندازہ ہی نہیں ہے کہ قرآن کو اب دنیا کس طرح سمجھنا چاہتی ہے۔خدا کی بات خدا ہی کی بات کی حیثیت سے سمجھ میں آئے،مطالبہ اس کا بڑھ رہا ہے،لیکن وہ سمجھتے ہیں کہ روایتوں کے بغیر قرآن سمجھانے اور سمجھنے کی کوئی دوسری راہ نہیں ہے۔بحمداللہ آپ کا کام ہر لحاظ سے کامیاب اور عہد حاضر کے تقاضوں کی تکمیل کے ساتھ سلف کی راہ سے بال برابر بھی الگ نہیں ہوا ہے۔میرے لئے تو قدم قدم پر اس تفسیر میں نئے معلومات کا ذخیرہ ہی ملتا چلا جاتا ہے،خدا کرے آئندہ حصہ کی بھی جلد سامنے آجائیں“۔

تفسیر ی ماجدی۔گونا گوں خصوصیات کی حامل تفسیر۔نعیم الرحمٰن صدیق ندوی رص ۲

پیشین گوئیوں کی کہانی

محمد فہیم قاسمی گورکھ پوری

امیہ بن خلف اور حضرت سعد بن معاذؓ دوست تھے، اس طور پر کہ امیہ ابن خلف جب تجارت کی غرض سے شام جاتا تو مدینہ میں حضرت سعدؓ کے یہاں ٹھہرتا اور جب حضرت سعدؓ مکہ تشریف لاتے تو امیہ کے گھر قیام کرتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد حضرت سعدؓ عمرہ کے ارادہ سے مکہ تشریف لائے اور حسب دستور امیہ کے یہاں قیام فرمایا، اور امیہ سے کہا، جس وقت حرم خالی ہو مجھے اطلاع کرنا تاکہ سکون واطمینان سے میں طواف کرسکوں۔ امیہ نے دوپہر کے وقت حرم کے خالی ہونے کی اطلاع دی، اور ساتھ لے کر حرم گیا، حضرت سعدؓ طواف کر ہی رہے تھے کہ ابوجہل آ گیا اور امیہ سے پوچھنے لگا کہ یہ سکون واطمینان سے طواف کرنے والا شخص کون ہے؟ امیہ نے کہا یہ سعد ہیں مدینہ سے تشریف لائے ہیں، ابوجہل یہ سن کر غصہ سے تلملانے لگا اور کہنے لگا کہ تم اطمینان کے ساتھ طواف کررہے ہو؟ حالانکہ تم لوگوں نے بے دینوں کو پناہ دے رکھی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی خیال کئے بیٹھے ہو کہ تم لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد اور حمایت کروگے، خدا کی قسم اگر تو ابوصفوان (یعنی امیہ) کے ساتھ نہ ہوتا تو زندہ بچ کر اپنے گھر والوں کے پاس نہ جاسکتا! اس پر ان دونوں میں تیز کلامی شروع ہوگئی، حضرت سعد کو بھی غصہ آ گیا، اور فرمانے لگے اگر تم نے مجھے طواف کرنے سے روکا تو میں تیرا شام کا راستہ بند کردوں گا، اس درمیان امیہ برابر حضرت سعدؓ کو ابوجہل کا مرتبہ اور عہدہ بتا کر ان کو خاموش کرنے کی کوشش کرتا رہا، حضرت سعد فرمانے لگے امیہ تم بھی سن لو، مدینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ مسلمان تم کو قتل کریں گے، اس بات کا سننا تھا کہ مکہ کے سیاست داں کے حواس باختہ ہوگئے، قریب تھا کہ بول وبراز نکل جاتا۔ اس نے اس بات کی خبر اپنی بیوی کو دی کہ دیکھو تمہارا یثربی بھائی کیا کہتا ہے کہ محمد اور اسکے ساتھی مجھے قتل کریں گے، اس کی بیوی نے کہا، یقیناً محمد نے کبھی جھوٹ بات زبان پر نہیں لائی، اور اس خوف سے امیہ نے مکہ سے نکلنا ترک دیا۔

(سیرۃ المصطفی / سیرت حلبیہ اردو / ج ۳ / ص ۴/ ۳۷)

حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کہتے ہیں کہ بدر کے دن میں کفار کی زرہیں لوٹ کر آرہا تھا، کہ

میں نے امیہ ابن خلف کو دیکھا وہ اپنے بیٹے علی ابن امیہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے کھڑا ہے، اس نے مجھے دیکھ کر کہا کہ اے عبد عمرو، میں نے کوئی جواب نہیں دیا، پھر اس نے کہا اے عبد الالہ تو میں اس کی جانب متوجہ ہوا، تو اس نے کہا جو مجھے قید کرے گا وہ فدیہ میں ان زرہوں سے زیادہ مال حاصل کرے گا، تو میں نے اس کا اور اس کے بیٹے کا ہاتھ پکڑ لیا، امیہ وہی شخص ہے حضرت بلالؓ جس کے غلام تھے، جس کی ایذاء دہانی اور تکلیف رسانی نے حضرت بلالؓ کے پیٹھ کے نیچے انگارے بجھا دیئے تھے، جسم کے تمام اعضاء سے خون کی قطاریں بہہ پڑیں تھیں، جسے جانوروں کے چمڑوں میں لپیٹ کر اسلام ترک کرنے کے لئے کہا جاتا تھا، جسے پہاڑوں پر بازیچہ اطفال بنا کر کھسیٹا جاتا تھا، آج ان تمام گناہوں کا مجرم سامنے تھا، انتقام کے جذبات نے جس بھرے ہوئے زخموں کے ٹیس اور درد کو آج تک تازہ کر رکھا تھا، امیہ پر نظر پڑتے ہی وہ زخم بھی ہرے ہو گئے۔ اور اسی غصہ اور جذبات کی رو میں پکار اٹھے **راس الکفر امیہ ابن خلف** (کفر کا سردار امیہ ابن خلف) **لا نجوت ان نجا** (اگر یہ زندہ رہا تو میں زندہ نہ رہوں گا) حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف نے کہا یہ میرا قیدی ہے، حضرت بلالؓ نے پھر وہی جواب دیا اگر یہ زندہ رہا تو میں زندہ نہ رہوں گا۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف امیہ کی حفاظت کے لئے اس کے قیدی ہونے کا بار بار تذکرہ کر رہے تھے لیکن حضرت بلالؓ گویا امیہ کے قتل کے لئے ہی بدر میں شریک ہوئے تھے، ہر بار فرماتے اگر یہ زندہ رہا تو میں زندہ نہ رہوں گا، اور آپ نے بلند آواز سے پکارا اے انصار کی جماعت کفر کا سردار امیہ یہ ہے، حضرات انصار جو بلالؓ کی پیٹھ دیکھ کر ان کے اوپر گزری ہوئی داستان الم سے واقف تھے فوراً امیہ کی جانب متوجہ ہوئے۔ اور اس کے بیٹے کو قتل کر دیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ کہتے ہیں کہ بیٹے کے قتل پر امیہ نے ایسی چیخ ماری کہ ایسی چیخ میں نے کبھی سنی نہ تھی، حضرت عبدالرحمٰن نے امیہ سے کہا تم بھاگ سکو تو بھاگ جاؤ، لیکن وہ اپنے موٹاپے کی وجہ سے بھاگ نہ سکا اور قتل ہو گیا۔

حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت بلالؓ پر رحم فرمائے کہ میرے قیدی اور میری زرہوں کو مجھ سے دور کر دیا۔ (سیرت ابن ہشام)

امیہ کا میدان جنگ میں کھڑا رہنا اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کا زرہ لوٹنا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ بالکل ختم ہو گئی تھی اور کفار شکست کھا چکے تھے۔ لیکن جس امیہ کو ابو جہل شرم و عار دلا کر میدان جنگ تک کھینچ لایا تھا اور ابو جہل نے اس کے لئے تیز رفتار سواری کا انتظام کیا تھا کہ اگر تمہیں

اپنی جان کا خطرہ ہوا تو فورا مکہ واپس چلے جانا،اورخود امیہ یہی سوچ کر مکہ سے نکلا تھا کہ وہ راستے ہی سے واپس آجائے گا، ذہن میں تو یہی آتا ہے کہ امیہ کا مکہ سے نکلنا، راستہ سے واپس نہ آنا، میدان جنگ تک پہنچنا اوراور پھر شکست کے بعد وہیں ٹھہرے رہنا، یہ تمام باتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی ہی کی تکمیل کے لئے وجود میں آئی تھیں۔واللہ اعلم بالصواب

☆---☆---☆

جس جبیں کوسجدہ خداوندی کے لئے بنایا گیا تھا،اورانسانیت کی عظمت و بلندی، وقاروعزت اسی میں قائم بھی تھی، اس جبیں کو خالق کے سامنے جھک جانا چاہئے تھا،لیکن وہ جبیں اسی کی مخلوق کے سامنے سجدہ ریز ہونے لگی یا پھر اپنے بنائے ہوئے بتوں کے سامنے خم ہونے لگی، پھر خالق نے انہیں راہ راست پر لانے اوران جبینوں کو بلندی وسرخ روئی عطا کرنے کے لئے اپنے محبوب پیغمبروں کو بھیجا،جن کی محنت اورکوشش پر ایک جماعت نے **امنا و صدقنا** کہاوہیں ایک جماعت نے ان کی حیات تنگ کر دی، انہیں تکلیفیں، ایذائیں دینی شروع کر دیں، انہیں آگ میں ڈالا گیا،قتل کیا گیا،آسمانوں پر اٹھایا گیا،جس سے عاجز اور پریشان ہوکرایک پیغمبر نے بارگاہ الٰہی میں یہ فریاد بھی کر ڈالی۔**رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا، ان تذرھم یضلوا عبادک ولا یلدوا الا فاجرا کفارا** ، میرے رب کسی ایک کوبھی اس روئے زمین پر نہ چھوڑیو،اگرآپ نے ان کو چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے،اوران کی اولادیں فاجروفاسق ہوں گی۔

یہاں تک کہ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا میں تشریف لائے تو انہیں بدبختوں سے تعلق رکھنے والا ایک شقی القلب ابی ابن خلف بھی تھا، جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا تو کہتا،محمد فکر نہ کروتم نے میرے معبودوں کی تکذیب کی ہے،میری قوم کو جوتم نے اپنے کلام کی سحر انگیزی سے گرویدہ بنالیا ہے،اوراس کے لئے جوتکلیفیں تم نے مجھے دی ہیں،اس کے کفارہ کے لئے میں نے ایک عمدہ نسل کا بہترین گھوڑا پال رکھا ہے، جسے نہایت ہی عمدہ اور صاف ستھری غذا کھلاتا ہوں،عنقریب اسی گھوڑے پر سوار ہوکر تجھے قتل کروں گا (نعوذ باللہ)،ان ظالموں کے درمیان جسے تنہا بھیجا گیا تھا اوراب کچھ غریب وکمزورقسم کے رفیق ساتھ تھے جن پر مظالم کے تیروتفنگ چلائے جا رہے تھے،مظلوموں کا مسیحا،ابی ابن خلف کے جواب میں صرف یہ کہتا ہے، میں ہی تجھے قتل کروں گا انشاءاللہ۔

جنگ احد میں ابی بن خلف مدتوں پہلے کئے گئے وعدے کی تکمیل کے ارادہ سے اپنے اسی پروردہ اعلیٰ نسل کے گھوڑے پر سوار ہو کر میدان جنگ میں **لا نجوت ان نجا** کا اعلان کرتا پھر رہا تھا، لیکن جس کے قتل کے لئے مدتوں سے وہ منتظر تھا جب سامنا ہوا اس سراپا رحمت سے، تو اسکی لگائی گئی ایک ہلکی خراش کی تاب نہ لا سکا، اور چیختا چلاتا ہوا اپنے ساتھیوں میں پہنچتا ہے، اس کے ساتھی ہلکی خراش کہہ کر تسلیاں دیتے ہیں کہ کیوں آسمان سر پر اٹھائے ہوئے ہو؟ ابی بن خلف کہتا ہے کہ تمہیں معلوم ہے یہ ضرب کس نے لگائی ؟ یہ ضرب اس کی لگائی ہوئی ہے جو چاند کو مشرق و مغرب کی سیر ٹکڑے کر کے کراتا ہے، جو پتھروں سے وحدانیت کا اقرار کراتا ہے، جو ایک رات میں ساتوں آسمانوں کی سیر کرتا ہے، یہ محمد کی لگائی ہوئی ضرب ہے۔ بخدا مکہ میں میں نے محمد سے کہا تھا میں تجھے قتل کروں گا، اگر اس وقت محمد مجھ پر تھوک بھی دیتے تو میں مر جاتا، بالآخر وہی ہلکی خراش اس کے موت کا سبب بن جاتی ہے اور مقام سرف میں یہ بدبخت راہی دوزخ ہوتا ہے۔ (سیرت ابن ہشام)

☆------☆------☆

صفحہ/۴۶ کا بقیہ جب انہیں قبیلہ قریش کے لوگ دیکھتے ہیں تو ان کو دیکھنے والا کہتا ہے کہ ان کی بزرگی وجواں مردی پر بزرگی وجواں مردی ختم ہوگئی ہے۔

جب وہ حجر اسود کا بوسہ دینے کے لئے آتے ہیں، تو ایسا لگتا ہے کہ حجر اسود ان کی خوشبو پہچان کر ان کا ہاتھ پکڑ لے گا۔

یہ خاتون جنت حضرت فاطمہؓ کے لخت جگر ہیں، اگر ان کو نہیں جانتا تو سن لے کہ ان کے محترم نانا پر انبیائے کرام کے سلسلہ کا اختتام ہوا ہے۔

یہ قصیدہ سن کر ہشام فرزدق پر برہم ہوگیا اور اس کو قید میں ڈال دیا، امام زین العابدین نے اس کے صلہ میں فرزدق کو بارہ ہزار درہم عطا فرمائے، اس نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ میں نے خدا اور رسول کی خوشنودی کے لئے مدح کی تھی، انعام کی طمع میں نہیں امام زین العابدین نے پھر اس کے پاس بھجوایا اور کہلا بھیجا کہ ہم اہل بیت جب کسی کو کچھ دیتے ہیں تو پھر واپس نہیں لیتے، خدا تمہاری نیت سے خوب واقف ہے، وہ اس کا اجر علحدہ دے گا، اس تعمیل ارشاد کے بعد فرزدق نے روپیہ لے لیا۔

تابعین ص/۲۸۹ تا ۳۰۴)

وفات کے بارے میں مختلف اقوال منقول ہیں، صحیح یہ ہے کہ ۹۴/ہجری میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

☆------☆------☆

اے تماشا گاہ عالم

محمد فہیم قاسمی گورکھ پوری

کفر کی تاریکی میں رہنے والوں نے جب اسلام کی روشنی کو اپنی زندگی کا حصہ بنایا تو اسلام نے ان کی فطری قوت و طاقت کو ایسی جلا بخشی کہ ان کے کارنامے تاریخ کے صفحات میں آب زر سے لکھ کر محفوظ کر لئے گئے۔

جب اسلامی فوج نے شاہ کسری کو شکست دی اور اس کا مال و دولت مدینہ میں جمع ہوا، جس میں کسری کے وہ کنگن بھی تھے جس کی پیشین گوئی آپ ﷺ نے سراقہ بن جعشمؓ کے ہاتھ کے لئے فرمائی تھی، ان سامانوں کی چمک دمک دیکھ کر اہل مدینہ کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں، انہیں سامانوں کے ساتھ شاہ کسری کی تین صاحبزادیاں بھی قید ہو کر آئیں، جنہیں فاروق اعظمؓ کے سامنے لایا گیا، اس کے بعد اعلان کرنیوالے نے ان شاہزادیوں کی بولی لگانے کا اعلان کیا، اور کہا کہ ان کے چہروں سے نقاب الٹ دیئے جائیں، تاکہ مسلمان زیادہ بولی لگاسکیں، شاہزادیوں نے نقاب الٹنے سے انکار کیا اور اعلان کرنے والے کے سینے پر ٹھوکر بھی ماردیں، جس سے حضرت عمر فاروقؓ غضبناک ہوگئے، اور اپنا درہ اٹھانا چاہا، اس وقت شاہزادیاں رو رہی تھیں، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ امیر المومنین!

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ کسی ذلیل ہونے والی قوم کے معزز لوگوں کے ساتھ رحم کا معاملہ کرو اور فقیر ہو جانے والی قوم کے مالداروں کے ساتھ عزت کا معاملہ کرو'' یہ حدیث سن کر حضرت عمرؓ کا غصہ فرو ہوگیا، تب حضرت علیؓ نے فرمایا کہ شاہزادیوں کے ساتھ دوسری عورتوں جیسا معاملہ نہیں کرنا چاہیئے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ان کی ایک متعین قیمت طے کردی جائے، پھر بولی لگائی جائے، جب بولی لگانے والے اس متعین قیمت تک پہنچ جائیں، تو بولی لگانے والے قیمت لے کر سامنے آجائیں جس نے ان کو پسند کیا ہے۔ چنانچہ قیمت لگائی گئی، پھر انہیں حضرت علیؓ لے گئے، ان میں سے ایک حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو دی، دوسری محمد ابن ابی بکر صدیقؓ کو عطا کی، تیسری اپنے بیٹے حضرت حسینؓ کو سونپی۔ ان تینوں شہزادیوں سے جو اولادیں پیدا ہوئیں وہ اپنے علم و فضل، شرافت و نجابت اور کردار و اعمال سے افق آسمان پر اپنی مثال آپ بن کر چمکے، اس

سے پہلے لوگ باندیوں سے ہمبستری کرنا پسند نہ کرتے تھے، لیکن جب لوگوں نے ان کی اولادوں کو دیکھا تو وہ بھی اس کے قائل ہو گئے۔ (سیرت حلبیہ اردو ج ۳ر ص ۱۲۴)

(۱) جو شہزادی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو دی گئی تھی، ان کے بطن سے مشہور تابعی سالم بن عبداللہ پیدا ہوئے جو اقلیم علم و عمل دونوں کے فرماں روا تھے، علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ سالم فقیہ، حجت اور ان مخصوص علماء میں سے تھے جن کی ذات علم و عمل دونوں میں جامع تھی، امام نووی لکھتے ہیں کہ سالم کی امامت، جلالت، زہد و ورع اور علو مرتبت پر سب کا اتفاق تھا۔ شدت احتیاط کی وجہ سے تفسیر بیان نہیں کرتے تھے، حدیث میں اپنے والد ہی سے خوشہ چینی فرمائی، جو حدیث کے رکن اعظم تھے، ان کے علاوہ دیگر اصحاب کرام اور حضرت عائشہؓ سے بھی استفادہ فرمایا، امام مالک فرماتے تھے کہ ان کے زمانہ میں زہد و ورع میں سلف صالحین کے مشابہ ان کے جیسا کوئی نہ تھا، دنیا سے بے نیازی میں بھی اوج کمال کو پہنچے ہوئے تھے، ایک مرتبہ ہشام بن عبدالملک حج کے لئے آیا، خانہ کعبہ میں دونوں صاحبان کی ملاقات ہوئی ہشام نے درخواست کی کہ آپ کی کچھ حاجت ہو تو بتائیں؟ آپ نے فرمایا کہ دنیا تو بنانے والے سے نہ مانگی، اور خانہ خدا میں کسی غیر سے کیا مانگوں۔

ذی الحجہ ۱۰۶ھ میں مدینہ میں وفات پائی، ہشام بن عبدالملک حج سے فراغت کے بعد مدینہ آیا ہوا تھا، نماز جنازہ پڑھائی، جنازہ میں خلقت کا ہجوم اتنا تھا کہ بقیع کے میدان میں نماز پڑھائی گئی۔ (تابعین ص ۱۳۶ تا ۱۴۰ اختصار)

(۲) دوسری شہزادی جو محمد ابن ابی بکر صدیقؓ کو دی گئی تھی ان سے قاسم بن محمد بن ابوبکر پیدا ہوئے، اور بچپن ہی میں یتیم ہو گئے، ان کی پرورش حضرت عائشہؓ نے فرمائی، انکے والد حضرت محمدؓ ابن ابی بکر پر جب حضرت امیر معاویہؓ کی جانب سے حضرت عمروؓ بن العاص نے مصر پر فوج کشی کی اس وقت حضرت محمد بن ابی بکرؓ شہید کر دیئے گئے تھے۔

حضرت عائشہؓ مخدومہ علم تھیں جن کے ادنی ترین خدام مسند علم و عمل کے وارث ہوئے، قاسم تو گویا محبوب فرزند تھے، ان کی تربیت نے ان کو مجمع البحرین بنا دیا تھا، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ رفیع المنزلت و عالی مرتبت، فقیہ امام اور بڑے حافظ حدیث اور متورع تھے، حضرت عائشہؓ کے ہی علمی سرچشمہ سے زیادہ تر سیراب ہوئے، ان کے علاوہ انہوں نے دوسرے اساطین حدیث میں ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، اور ابو ہریرہؓ سے بھی استفادہ کیا تھا، مسجد نبوی میں حضرت قاسمؒ کا درس لگتا تھا، ان کی

اور سالم بن عبداللہ بن عمرؓ کی مجلس ایک ہی تھی، ان کے بعد ان کے لڑکے عبدالرحمٰن، سالم کے بھائی عبیداللہ اسی مجلس میں بیٹھتے تھے، پھر ان دونوں حضرات کے بعد امام مالک کی مسند درس بچھی۔ اس عہد کے تمام علماء اور ارباب فضل وکمال قاسم کے کمالات علمی کے معترف تھے، یحیٰ ابن سعید انصاری کہتے تھے کہ ہم نے مدینہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں پایا جس کو قاسم پر فضیلت دی جا سکے۔ اس علومرتبت کے باوجود انہیں اپنی برتری کا مطلق احساس نہ تھا۔

ایک مرتبہ ایک اعرابی نے سوال کیا کہ آپ بڑے عالم ہیں یا سالم؟ اس سوال کے جواب دینے میں بڑی کشمکش پیش آئی، اگر اظہار واقعہ کرتے ہیں تو اپنی زبان سے اپنی تعریف ہوتی تھی اور اگر سالم کو کہتے تھے تو جھوٹ ہوتا تھا، اس لئے پہلے تو انہوں نے سبحان اللہ کہہ کر ٹالا؛ لیکن جب اعرابی نے دوبارہ پوچھا تو آپ نے کہا سالم موجود ہیں انہی سے جا کر پوچھ لو۔

باختلاف روایت ۱۰۷ھ یا ۱۰۸ھ مقام قدید میں انتقال کیا، اور اس سے تین میل کے فاصلہ پر مقام مشلل میں سپرد خاک کئے گئے، انتقال کے وقت ستر یا بہتر سال کی عمر تھی۔

(تابعین ص ۳۶۵ تا ۳۷۲ اختصار)

(۳) تیسری شہزادی جو حضرت حسینؓ کو سونپی گئی تھی، ان کے بطن سے علی بن حسینؓ پیدا ہوئے۔ کربلا کے میدان میں اہل بیت نبوی کا چمن اجڑنے کے بعد یہی ایک پھول باقی رہ گیا تھا، جس سے دنیا میں شمیم سیادت پھیلی اور حضرت حسینؓ کا نام باقی رہا۔ (علی ابن حسینؓ کا اس شہزادی کے بطن سے ہونا مختلف فیہ بھی ہے، لیکن سب سے زیادہ مشہور یہی ہے)

اعزہ کی شہادت اور اور اپنی بے کسی پر علی ابن حسینؓ (زین العابدین) کا دل ایسا ٹوٹا کہ مدینہ آنے کے بعد عزلت نشینی اختیار فرمالی پھر کسی تحریک میں کبھی شامل نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ عبداللہ ابن زبیرؓ اور مختار کی تحریک سے بھی خود کو علحدہ رکھا۔

آپ جس خانوادہ علم کے چشم و چراغ تھے وہ علوم دینی کا سرچشمہ تھا، اس لئے علم آپ کے گھر کی دولت تھی، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ کربلا نے ایسا افسردہ خاطر اور دنیا کی ہر شئی سے دل ایسا اچاٹ کر دیا تھا کہ علم وفن کی کتاب بھی آپ نے تہ کر دی تھی، اس لئے آپ کے علمی کمالات ظاہر نہ ہو سکے۔ خشیت الٰہی سے آپ کا دل اکثر لبریز رہتا تھا اور اکثر وہ اس خوف سے وہ بے ہوش ہو جاتے تھے۔ تحمل اور بردباری میں اپنے بابا حضرت حسینؓ کے مشابہ تھے، ناگوار تلخ سے تلخ باتیں سن کر پی

جاتے تھے، آپ کے تحمل کا یہ اثر ہوتا کہ جب مسجد سے اٹھ کر آنے لگتے تو گالی دینے والے روتے ہوئے آپ کے ساتھ ہو جاتے اور کہتے اب آئندہ آپ کبھی زبان سے ایسا کلمہ نہیں سنیں گے جو آپ کو برا معلوم ہو۔

اس تحمل، عفو و درگزر اور نرمی و ملاطفت کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ کی محبت و عظمت لوگوں کے دلوں میں اتنی جاگزیں ہوگئی تھی کہ جدھر نکل جاتے آپ کو راستہ دینے کے لئے ہجوم چھٹ جاتا۔ اس سلسلہ میں آپ اور ہشام بن عبدالملک کا واقعہ نہایت ہی مشہور ہے۔ ہشام بن عبدالملک عمائدین شام کے ساتھ حج کے لئے آیا ہوا تھا، طواف کے بعد حجر اسود کا بوسہ لینے کے لئے بڑھا؛ مگر ہجوم اتنا تھا کہ حجر اسود تک پہنچ نہ سکا، مجبوراً ازدحام کا تماشا دیکھنے کے لئے بیٹھ گیا، اتنے میں امام زین العابدین آ گئے، اور طواف کر کے حجر اسود کی طرف بڑھے، انھیں دیکھ کر خود بخود بھیڑ چھٹ گئی، اور انہوں نے آسانی کے ساتھ حجر اسود کو بوسہ دیا۔ یہ منظر دیکھ ایک شامی نے پوچھا یہ کون شخص ہے جس کی لوگوں کے دلوں میں اتنی ہیبت ہے؟ ہشام آپ کو پوری طرح پہچانتا تھا، لیکن شامیوں کی توجہ ہٹانے کے لئے کہا میں نہیں پہچانتا ہوں، فرزدق شاعر بھی موجود تھا، یہ تجاہل عارفانہ سن کر اس کی شراب محبت جوش میں آ گئی، اس نے کہا میں جانتا ہوں، شامی نے کہا کون ہیں؟ فرزدق نے اسی وقت حضرت زین العابدین کی شان میں ایک پرزور مدحیہ قصیدہ پڑھا، اس کے بعض اشعار یہ ہیں۔

هـذالذی تعرف البطحاء و طأته　　والبيـت يـعرفه والحل و الحرم

هـذا ابـن خيـر عبـاد الله كلهم　　هـذا الـنـقی التقی الطاهر العلم

اذا رأتـه قـريـش قـال قـائلهـا　　الـی مـكـارم هـذا يـنتهی الكرم

يـكـاد يـمسـكـه عرفان راحتـه　　ركـن الحطيم اذا ما جاء يستلم

هـذا ابـن فاطمة ان كنت جاهله　　بـجـده الانبيـاء الـلـه قد خموه

یہ وہ مقدس اور بابرکت ہستی ہے، جس کے نقش قدم کو وادی بطحاء، بیت اللہ، حل اور حرم سب جانتے اور پہچانتے ہیں۔

یہ اس ذات گرامی کے لخت جگر ہیں، جو اللہ کے تمام بندوں میں سب سے بہتر ہیں، یہ پرہیزگار، صاحب تقوی، پاکیزہ صاف ستھرے اور قوم کے سردار ہیں۔

بقیہ/ص ۴۲ پر

انٹر ویو۔مولانا محمد اویس نگرامی ندویؒ

مولانا یونس نگرامی ندویؒ

اور پھر سحر ختم ہونے کی گھنٹی بج جاتی اور تمام لوگ جلدی جلدی کلی کر کرا کے دوبارہ اپنے اپنے بستروں میں واپس چلے جاتے۔تو مجھ کو بھائی جان (مولانا اپنے والد صاحب کو بھائی جان کہتے تھے) کی آواز سنائی دیتی،ایک اتھاہ غم میں ڈوبی ہوئی،کبھی اشعار کی صورت میں تو کبھی نثر میں،بھائی جان کیا پڑھتے تھے اس کا علم مجھ کو نہیں پر اتنا ضرور یاد ہے کہ بیچ بیچ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ سلم کا اسم مبارک بار بار آتا تھا،اور شدت تاثر سے آواز بھرائی ہوئی رہتی تھی،اس کیفیت کا اثر مجھ پر یہ پڑتا کہ باجودسونے کی کوشش کے نیند دور ہی سے سلام کرتی۔ یہ تو تھا میرے بچپن کا تصور بھائی جان کے بارے میں۔پھر جب میں ندوہ میں آ گیا اور قرآن مجید کے اسباق بھائی جان سے پڑھنے لگا تو محسوس ہوا کہ قرآن مجید نے جہاں اور بہت سے مضامین پر بحث کی ہے وہیں اس کا مقصود اصلی ہے انسان کا تزکیہ نفس۔اور اس کا بارگاہ خداوندی میں حاضر ہونے کے لائق بنانا۔قرآن مجید کے اس پہلو پر بھائی جان اتنا زور دیتے کہ دنیا باوجود اپنی جلوہ سامانیوں کے ایک بہت بڑا ویرانہ معلوم ہونے لگتی اور سچ بھی تو ہے جہاں ہزاروں قومیں آباد ہوئی ہوں اور مٹ گئی ہوں تو بھلا اس جگہ سے بڑا ویرانہ اور کون سی جگہ ہوسکتی ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کہیں جا کر بس جائے۔اور قیامت و موت کا انتظار کرنے لگے، بلکہ بھائی جان یہ کہتے کہ مومن کا حال یہ ہونا چاہئے کہ دنیا سے پورا پورا فائدہ اٹھائے لیکن ہر وقت اس کو اس بات کا دھیان ہونا چاہئے کہ اس کی تخلیق کیوں ہوئی ہے اور اس کو کس کے سامنے حاضر ہونا ہے؟

تیسری چیز جس سے میں متاثر ہوا وہ ہے بھائی جان کا کثرت مطالعہ،دسمبر وجنوری کی ٹھنڈی راتیں ہوتی ہیں،رات کے دو بج جاتے ہیں اتفاقاً کہیں آنکھ کھل گئی تو دیکھا کہ بھائی جان الماریوں سے کتاب نکال رہے ہیں،رکھ رہے ہیں،ان سے علامہ سید سلیمان ندویؒ نے فرمایا تھا کہ اتنا پڑھو کہ

ابلنے لگے۔ بھائی جان کی زندگی کے یہ تین گوشے ایسے ہیں جس میں ہم تمام بھائیوں کے لئے بڑے سبق ہیں۔

ایک دن باتوں ہی میں میں نے دریافت کیا کہ۔

بچپن کا ماحول کیا تھا اور کن امور کی طرف زیادہ توجہ دی جاتی تھی؟ انھوں نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ میں نے ایسے گھرانے میں آنکھیں کھولیں جو اپنے قرب و جوار کے بڑے علاقہ میں دین کا مرکز تھا، پورا ماحول دینی تھا، بدعات سے نفرت اور اتباع سنت کا ذوق، خاندان کا طغرائے امتیاز تھے، بچپن ہی سے کان صلحائے امت کے ناموں سے آشنا تھے۔ مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ اہل خاندان کی عقیدتوں کا مرکز تھے۔

صبح شام گھر پر اہل قصبہ جمع ہوتے تھے زیادہ تر دینی باتیں ہوتی رہتی تھیں، خلافت کی تحریک شباب پر تھی اور اپنا گھر اس تحریک کا مرکز تھا، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، آنجہانی موہن لال سکسینہ، چودھری خلیق الزماں، مولانا ظفرالملک اور دوسرے اس وقت کے حضرات گھر پر آتے رہتے تھے، دوسری طرف شعروشاعری کی محفلیں بھی ہفتہ میں ایک بار منعقد ہوا کرتی تھیں، اور ہم لوگوں کو اکابر شعراء کے سوسو شعر زبانی یاد کرائے جاتے تھے، اس طرح اپنے گھر ہی کے ماحول میں دینی، سیاسی اور ادبی تربیت غیر شعوری طور پر ہوتی رہی۔

س:۔کن شخصیات نے اپنا اثر ڈالا، اور کن کتابوں سے زیادہ شغف رہا؟

ج:۔فخر کی بنیاد پر نہیں؛ بلکہ شکر کے ساتھ یہ کہنے میں مجھ کوئی تامل نہیں ہے کہ میری زندگی کی تعمیر میں بنیادی حصہ میرے والدین کا ہے۔ میری والدہ مرحومہ کی دینی معلومات اس قدر بہتر تھیں کہ خاندان کے تعلیم یافتہ مردان سے گفتگو کرنے میں تکلف کرتے تھے۔ ترجمہ قرآن مجید، مشارق الانوار، مظاہر حق، نصیحۃ المسلمین، تقویۃ الایمان برابران کے مطالعہ میں رہتی تھیں، رات کو قصہ کہانیوں کے بجائے یہی چیزیں مجھ کو سنایا کرتی تھیں۔ ان کی تربیت کا ایک معمولی واقعہ آج تک مجھ کو یاد ہے۔

ایک مرتبہ مکتب میں کسی طالب علم کی پتھر کی دوات میں اٹھا لایا، گھر پہنچا تو والدہ مرحومہ نے دیکھ کر تحقیق کی، اصل واقعہ معلوم ہونے کے بعد مجھ پر خوب مار پڑی، گھر کے بھرے مجمع میں اور مکتب کے تمام طالب علموں کے سامنے جرم کا اقرار کرنا پڑا، اور جس طالب علم کی دوات تھی اس کو

دوات واپس کر کے معافی بھی مانگنی پڑی۔

والد صاحب مرحوم کا علمی ذوق بہت بلند تھا، ان کے نظام الاوقات میں بڑا وقت مطالعہ کا تھا، گھر کا کتب خانہ اچھا خاصا تھا، ان کے مطالعہ کے ذوق کو دیکھ کر ہم لوگ حیرت زدہ رہ جاتے، جب میری عربی کی تعلیم اتنی ہوگئی کہ میں عربی کتابیں پڑھ سکوں تو ان کی طرف سے اردو کتابوں کے مطالعہ پر پابندی ہوگئی، گو چوری چھپے یہ شوق بھی پورا ہوتا رہا، میرے دادا حافظ مولانا ادریس صاحبؒ کی وصیت تھی کہ جب میرے خاندان کے لڑکے کچھ عربی سمجھنے کے لائق ہو جائیں، تو سب سے پہلے ان کو احیاء العلوم الدین کا مطالعہ کرایا جائے، اس وصیت کے بموجب والد صاحب نے احیاء پڑھنے کو دی اس کتاب نے مجھ کو اتنا متاثر کیا کہ دن ورات میرے ساتھ رہتی اور اس کی حکومت اب تک دل و دماغ پر قائم ہے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے درجات عربیہ میں جیسے جیسے تعلیم بڑھتی تھی میرے مطالعہ کتب کا معیار بھی والد صاحب مرحوم کی رہنمائی میں ترقی کرتا جاتا تھا، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، حافظ ابن قیمؒ، حافظ ابن رجب حنبلی، قاضی شوکانیؒ، علامہ اسماعیل یمنیؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے والد صاحب مرحوم نے ایسا تعارف کرایا کہ اب میرے دل و دماغ پر انھیں بزرگوں کی حکمرانی ہے۔

مخدومی ڈاکٹر عبدالعلیؒ کے مشورہ کے مطابق حضرت مدنی کی خدمت میں چند دنوں رہنے کی توفیق ہوئی، جہاں زندگی کے ایک نئے باب کا آغاز ہوا اور یہ بات پورے یقین کے ساتھ سامنے آئی کہ حیات انسانی کا اصل مقصد ربط حق اور تعلق مع اللہ ہے، اور انسانی سکون، اخروی فلاح کا یہی ایک راستہ ہے، حضرت مدنیؒ نے مولانا قاسم نانوتویؒ کی کتابوں کے مطالعہ کی ہدایت فرمائی نیز حضرت شاہ اسماعیلؒ کی صراط مستقیم پڑھنے پر کافی توجہ دلائی، ندوہ کے زمانہ طالب علمی میں مولانا حفیظ اللہؒ، مولانا سید علی زینبیؒ، مولانا شبلی، مولانا حیدر حسن خاںؒ کا علمی وقار اور باورع زندگیاں برابر متاثر کرتی رہیں۔

مولانا حیدر حسن خاں صاحب مرحوم کے فیض وراثت کی یادیں اب تک قائم ہیں، مولانا کے فیض صحبت کی وجہ سے حدیث کی طرف طبیعت کا رجحان رہا، میرے مخدوم ڈاکٹر عبدالعلی کی خواہش تھی کہ میں قرآن مجید پر تیاری کروں، میں نے ڈاکٹر صاحب سے عرض کیا کہ مجھ کو جو دلچسپی حدیث سے ہے وہ ابھی قرآن مجید سے نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے فرمایا: لگے رہیے بشر کو

پہلے بشری کلام سے مناسبت ہوتی ہے، جب دل ودماغ میں جناب رسول ﷺ کے کلام کا نور پہنچے گا تو ان شاء اللہ خدا کے کلام سے مناسبت پیدا ہو جائے گی۔اسی سلسلہ سے ڈاکٹر صاحب مرحوم نے مجھ کو حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کی خدمت میں بھیجا۔سید صاحب کی خدمت میں جانے کے بعد پہلی بار معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی تشریح وتفسیر کا صحیح اندازہ کیا ہے۔دارالمصنفین کے قیام کے دوران پونے سات برس میں نے سید صاحب کی رہنمائی میں کتب تفسیر اور علم العقائد کا مطالعہ کیا، یہیں کے دوران قیام سیرت نبوی جلد اول پر نظر ثانی کی، جس کے دو فائدے حاصل ہوئے۔پہلا اور اصل فائدہ یہ ہوا کہ ذات نبوی سے ایک عجیب تعلق پیدا ہو گیا، جس پر سارے تعلقات قربان کئے جا سکتے ہیں، دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ صحیح طور پر تحقیق وریسرچ کا طریقہ معلوم ہوا۔

مخدومی مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کی ذات اور ان کی تحریروں کا مجھ پر بڑا احسان ہے، مغربی تمدن سے نفرت اور ان کی علمی بے مائیگی کا علم، حمایت دین کا جوش وخروش مولانا ہی کی توجہات کا رہین منت ہے۔

اسی سلسلہ میں مولانا مسعود علی ندویؒ کا نام لینا میرے لئے ضروری ہے اس لئے کہ مجلسی آداب یا اصول زندگی گزارنے کا تھوڑا بہت جو کچھ بھی سلیقہ آیا وہ مولانا ہی کی زندگی کا عکس ہے۔

س:۔تفسیر کی کن کتابوں سے آپ کو زیادہ مدد ملی؟

ج:۔ میں نے سید صاحب سے جس انداز سے قرآن مجید کے سلسلہ میں استفادہ کیا ہے، اس لحاظ سے کسی ایک کتاب کا متعین کرنا مشکل ہے، البتہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، حافظ ابن قیمؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، اور سیرۃ النبی کے مطالعہ نے قرآن مجید کا ذوق پیدا کیا، سید صاحبؒ کی صحبت نے اس ذوق کی پوری پرورش کی۔

بنیادی طور پر تفسیر طبری، روح المعانی نے بڑا فائدہ پہنچایا، نحوی مشکلات کے لئے ابوحیان، ادبی پہلوؤں کے لئے کشاف، طراز المثل السائر، دلائل الاعجاز کا مطالعہ بہت مفید ثابت ہوا، لغوی تحقیقات کے لئے کسی ایک کتاب کا نام لینا آسان نہیں ہے۔

س:۔قرآن مجید کے طالب علموں کے لئے آپ کیا مشورہ دیتے ہیں؟

ج:۔ میرا علوم قرآن کے طلبہ کے لئے مخلصانہ مشورہ ہے کہ سب سے پہلے اپنا ذوق دینی بنائیں، اہل دین سے تعلق، دینی تصانیف مطالعہ میں رکھیں ان شاء اللہ تعالی دینی مزاج بن جانے

کے بعد قرآن مجید ایسا کھلے گا، جس کی لذت بیان کرنا آسان نہیں ہے۔اس کے بعد نحو، بلاغت، علم معانی، علم العقائد کا گہرا مطالعہ کریں، یہ ترتیب ان شاء اللہ قرآن مجید کے سمجھنے کے لئے بڑی معاون ثابت ہوگی۔

قرآن مجید سے متعلقہ علوم کے سلسلہ میں علم الاحسان کو ہرگز نہ بھولنا چاہئے، اس لئے کہ قرآن مجید کا حقیقی مقصد یہی ہے اس سلسلہ میں حافظ ابن قیمؒ کی مدارج السالکین کا مطالعہ بہت مفید ہوگا۔

موجودعہد کی خدمات قرآنی کے سلسلہ میں تفسیر ماجدی کا مطالعہ بے حد فوائد کا حامل ہے۔

س:۔اسلام کے عمومی تعارف کے لئے اور دینی بصیرت پیدا کرنے کے لئے اردو کتابوں میں کون سی کتاب آپ کے نزدیک بہتر ہے؟

ج:۔میرے نزدیک اسلام کے کل اور بنیادی تعارف کے لئے سیرۃ النبی سے بڑھ کر دوسرا کوئی ذخیرہ نہیں ہے، لیکن اس سلسلہ میں یہ بات ملحوظ رکھنا چاہئے کہ مختلف ذوق ہوتے ہیں اور ہر ذوق کے لئے الگ الگ نصاب ہے بعض حضرات کے لئے علامہ شبلی نعمانیؒ کی کتابوں کا مطالعہ بے حد نافع ہوگا۔بعض حضرات کے لئے حضرت تھانوی کے مواعظ کا مطالعہ بے حد مفید ہوگا، ایک حلقہ کے لئے مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی کتابیں مفید ہوں گی، لیکن پھر بھی کہوں گا کہ سید صاحبؒ کی سیرۃ النبی اس سلسلہ نصاب کی بنیادی کڑی ہے۔

وقت جب کروٹیں بدلتا ہے — فتنۂ حشر ساتھ چلتا ہے
موج غم سے ہی دل بہلتا ہے — یہ چراغ آندھیوں میں جلتا ہے
اس کو طوفاں ڈبو نہیں سکتا — جو کناروں سے بچ کے چلتا ہے
کس کو معلوم ہے جنون حیات — سایۂ آگہی میں پلتا ہے
نام سنتے ہی جس کا اف وہ سحر — چاند تاروں کا دم نکلتا ہے
ان کی محفل میں چل بہوش تمام — کون گر کر یہاں سنبھلتا ہے
ہم ہو برباد شوق ہیں جن کا — آشیاں محفل گل میں جلتا ہے
زندگی ہے اس کی جو مقتل میں — موت کے سامنے مچلتا ہے
میں کروں کیوں نہ اس کی قدر انور — دل کے سانچے میں اشک ڈھلتا ہے

علامہ انور صابرؒ

حاصل مطالعہ

جو چبھے دل میں وہی تنکے لئے

محمد فہیم قاسمی گورکھ پوری

ماتمی گھر یا فرشتوں کی وادی

لکھنؤ کے ادب نواز، غریب پرور، علماء کا احترام و اکرام کرنے والے، کامیاب تاجر جناب مقبول لاری صاحب کے خاکہ میں ان کی اہلیہ کے انتقال پر حفیظ نعمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

ہوا یہ کہ مجھے اطلاع ملی کہ لاری صاحب کی اہلیہ محترمہ داغ مفارقت دے گئیں۔ میں فورا مقبول لاری منزل گیا، وہاں سو پچاس لوگ پہنچ چکے تھے، لاری صاحب سے مل کر رسمی تعزیت کی، تفصیل معلوم کی، نماز اور آخری آرام گاہ لے جانے کا وقت دریافت کیا، پھر واپس آ گیا۔ اس وقت میں نے روزنامہ 'ان دنوں' کی ذمہ داری کاندھوں پر لے رکھی تھی، سیدھا دفتر گیا، انتقال کی خبر بنائی اور ایک مختصر اداریہ لکھا اور ایک بجے گھر آ گیا، دو بجے پھر جانے کے لیے تیار ہوا، تو میری اہلیہ جو صرف اس گھر میں ڈاکٹر رخسانہ لاری سے واقف اور ان کی قدردان تھیں، نے خواہش ظاہر کی کہ میں بھی چلوں؟ میں نے بس اتنا کہا کہ پانچ منٹ میں تیار ہو سکو تو چلو اور ہم دونوں ڈھائی بجے مقبول لاری منزل آ گئے، اس وقت بہت زیادہ گاڑیاں نہیں تھیں ڈرائیور سے کہا کہ گاڑی ایسی جگہ لگائے کہ پھنس نہ جائے۔ اہلیہ زنان خانے میں چلی گئیں اور میں سوگواروں کے درمیان بیٹھ گیا، شاید پانچ منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ مجھے محسوس ہوا جیسے میری اہلیہ تیزی سے واپس آ رہی ہیں، یقین ہوا تو یہ سوچتا ہوا آگے بڑھا کہ خدا جانے کون سی ایسی بات خلاف شرع دیکھ لیں کہ ایک منٹ بھی نہیں رکیں، میں نے دریافت کیا خیریت تو ہے کہنے لگیں، میں دس منٹ کے لیے گھر جانا چاہتی ہوں؛ مگر کیوں؟ انہوں نے جواب دیا بس ڈرائیور کو بلائیے اور وہ جواب دیے بغیر چلی گئیں، پھر وہ واقعی بیس منٹ کے اندر واپس آ گئیں، مجھے کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکا، ڈرائیور بھی کچھ نہ بتا سکا۔ جنازہ اور تدفین کے بعد جب میں گھر آیا تو اہلیہ سے میرا صرف ایک سوال تھا کہ آخر دروازہ میں گھستے ہی کیا دیکھ لیا یا کسی نے کیا کہہ دیا جو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگیں اور جب گھر آ گئیں تھیں تو پھر واپس کیوں گئیں؟ میری اہلیہ آج بھی جب اس واقعہ کو یاد کر لیتیں

ہیں،تو توبہ کا ورد شروع ہوجاتا ہے۔انہوں نے بتایا کہ میں تو یہ سوچ کر گئی تھی کہ ماتم یک شہر آرزو کا سماں ہوگا،مستورات زار زار رو رہی ہوں گی اور وہ غریب عورتیں جن کی مدد اس گھر سے ہوتی رہی ہے، ان میں کچھ واقعی غم سے اور کچھ دکھانے کے لیے پچھاڑیں کھا رہی ہوں گی،اس لیے کہ وہ بیگم صاحب ایک دولت مند خاتون ہی نہیں ایک محل جیسے مکان کی مالکہ اور ملکہ تھیں۔بس اللہ میری بدگمانی کو معاف فرمائے،کیوں کہ اندر قدم رکھتے ہی میں ندامت سے پانی پانی ہوگئی وہاں تو ایسا محسوس ہوا جیسے بزرگان دین میں سے کسی بہت بڑے بزرگ اور عالم دین کے گھر میں آ گئی ہوں،ہر طرف صرف تلات کلام پاک اور تسبیح دعائیں اور مناجات وہ چاند اور سورج کی طرح معاشرہ کو علم وادب سے روشن کرنے والی بیٹیاں نم دیدہ آنکھوں سے اس طرح انتظام میں مصروف تھیں،جیسے ان کی اپنی ماں نہیں؛ بلکہ کوئی مشفق اور محترم خاتون ہوں جو اپنے رب کے پاس چلی گئیں ہوں،پورے گھر میں سکون اور سکینت اور ایسا نورانی ماحول جسے دیکھ کر مجھے یاد آیا کہ میں چشمہ تو لائی ہی نہیں اور یہ مجھ سے گوارہ نہیں ہوا کہ میں تسبیح پڑھوں تلاوت نہ کروں اس لیے چشمہ لینے گئی تھی۔ (بجھے دیوں کی قطار ص/۵۹)

ایک اشارہ سر محفل جو کیا اس گل نے

مسعود انور کاکوری اپنے طویل مضمون ”میرے اکبرآبادی کچھ یادیں کچھ باتیں“ میں تحریر فرماتے ہیں۔

ایک مرتبہ ایک سمینار میں مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ نے بڑی مدلل وموثر تقریر کی۔کمرہ تحسین آفریں سے گونج اٹھا،تقریر کے بعد ایک محترمہ اپنے جذبات کو روک نہ سکیں،مولانا کے پاس آئیں اور کہہ ہی دیا،مولانا آپ نے اتنی عمدہ تقریر کی کہ میرا جی چاہتا ہے آپ کے ہاتھ چوم لوں، میں اور آپ ہوتے تو شاید زیادہ سے زیادہ مسکرا کر یا شکریہ ادا کر کے چپ ہوجاتے،مگر بھلا مولانا کب چوکنے والے تھے۔برجستہ بڑی معصومیت سے کہا لیکن میں نے ہاتھ سے تو کوئی کام لیا نہیں، سمجھنے والوں نے ایک قہقہہ لگا دیا،ذرا اندازہ کیجیے ان محترمہ کا کیا حال ہوا ہوگا۔(ماہنامہ برہان)

ایک مرتبہ مولانا سے ملنے گیا۔مولانا تقی امینی صاحب بھی بیٹھے تھے۔نماز مغرب کا وقت آیا۔تینوں نے نماز پڑھی۔اس کے بعد پان لائے گئے۔مولانا تقی امینی صاحب نے مولانا کی طرف بڑھائے،پھر میری طرف بھی بڑھائے،میں نے معذرت کی،تو مولانا نے مخصوص انداز میں ہنستے ہوئے کہا،”میں نے ان سے کتنی بار کہا مگر یہ تو کسی طرح سرخرو ہونا ہی نہیں چاہتے“(ماہنامہ برہان)

☆---☆---☆